وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا ٱلۡقُرۡءَانَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِن مُّدَّكِرٖ (القرآن)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے!

جلد 12	شمارہ 03	جمادی الثانی 1439ھ	مارچ 2018ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: ثاقب نذر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات سے تاحیات زرِ تعاون بیس ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندرونِ ملک 500 روپے، قیمت فی شمارہ 50 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۂ لہب	3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		4
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	زینب کا قاتل یہ نظام ہے	محمد رفیق چودھری	9
5	سیرتِ امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم (16)	ساجد محمود مسلم	14
6	ساتھیوں کی خدمت کرنا	پیر ذوالفقار احمد نقشبندی	22
7	مسائل میراث اور ہمارے اُجڑتے خاندان	حافظ مختار احمد گوندل	27
8	فحاشی اور بے حیائی کا سیلاب............	محمد منظور انور	41
9	دیباچہ کتاب: اسلام کے غلبہ کا استدلالی پہلو	مولانا غلام اللہ خان حقانی	46
10	'انگلستان میں اسلام' ایک مختصر انسائیکلوپیڈیا	محمد فیاض عادل فاروقی	48
11	تبصرہ وتعارف کتب		50
	اہل علم کے تاثرات		55

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورة اللّھب (111) آیات 5، رکوع 1

ابولہب سیّدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا چچا تھا اور ایمان نہیں لایا، پڑوسی تھا صاحبِ حیثیت تھا آپ ﷺ کا سخت دشمن اور مخالف تھا اور اس کی بیوی بھی اسی طرح تھی۔ یہاں ترجمہ استعارةً کیا گیا ہے کہ 'عبدالدینار' اور 'عبدالدرہم' قسم کے تمام لوگ اور ان کے اہل وعیال جو اس کردار پر مطمئن ہیں اور 'نَخلَعُ وَنَترُكُ مَنْ يَّفجُرُكَ' پر عمل نہیں کرتے ان کا انجام بھی اسی طرح ہوگا۔ بقول علامہ اقبال ع عشق تمام مصطفےٰ ﷺ، عقل تمام بولہب

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ○ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ○

(ڈالر، ریال اور روپے کے پجاری ہر) ابولہب کے ہاتھ ٹوٹے اور وہ ہلاک ہوا

نہ (ماضی میں نہ اب) اس کا مال ہی اس کے کچھ کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ○ وَّ امْرَاَتُهٗ ط

وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی،

(جو اس کو اس روش پر کمربستہ رکھتی ہے اور نصیحت نہیں کرتی)

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ○

جو (اپنے شوہر کے دین دشمن رویوں پر خوش رہتی ہے گویا شوہر کے لیے جہنم کی آگ کا) ایندھن سر پر اُٹھائے پھرتی ہے، اس کے گلے میں (بھی جہنم میں) مونج کی (مضبوط) رسّی ہوگی۔ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

اِنَّمَا أَجَلُکُمْ فِیْمَا خَلاَ مِنَ الْأُمَمِ کَمَا بَیْنَ صَلَاۃِ الْعَصْرِ اِلٰی مَغَارِبِ الشَّمْسِ وَ اِنَّمَا مَثَلُکُمْ وَمَثَلُ الْیَھُوْدِ وَ النَّصَارٰی کَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ أُجَرَاءَ فقالَ: مَنْ یَّعْمَل مِنْ غُدْوَۃٍ اِلٰی نِصْفِ النَّھَارِ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ؟ فَعمِلَتِ الْیَھُودُ۔ ثُمَّ قَالَ: مَنْ یَّعْمَل مِنْ نِصْفِ النَّھَارِ اِلٰی صَلاَۃِ الْعَصْرِ عَلٰی قِیْرَاطٍ قِیْرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ النَّصَارٰی ثُمَّ قَالَ: مَنْ یَعْمَل مِنَ الْعَصْرِ اِلٰی أَنْ تَغِیْبَ الشَّمْسُ عَلٰی قِیْرَاطَیْنِ قِیراطَیْنِ؟ فَأَنْتُمْ ھُمْ۔ فَغَضِبَتِ الْیَھُودُ وَالنَّصَارٰی وَقَالُوا: مَا لَنَا أَکْثَرَ عَمَلاً وأَقَلَّ عَطَاءً؟ قَالَ: ھَلْ ظَلَمْتُکمْ مِنْ حَقِّکمْ شَیْئًا؟ قَالُوْا: لَا قَالَ: فَذَالِكَ فَضْلِیْ أُوْتِیْہِ مَنْ أَشَآءُ

(ترمذی، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

”(اے اُمت محمد ﷺ!) تم لوگوں کو جو وقت دیا گیا ہے یہ پہلی اُمتوں کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے عصر سے غروبِ آفتاب تک کا وقت۔

پھر تمہاری مثال اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے کئی مزدوروں کو کام کے لیے طلب کیا اور ان سے کہا: کون میرے لیے صبح سے دوپہر تک ایک ایک قیراط کے عوض میں کام کرے گا؟ چنانچہ یہودیوں نے اس وقت کام کیا۔ پھر اس نے کہا: کون میرے لیے دوپہر سے عصر تک ایک ایک قیراط کے عوض کام کرے گا؟ چنانچہ نصاریٰ نے اس وقت کام کیا۔ پھر اس نے کہا: کون میرے لیے عصر سے سورج غروب ہونے تک دو دو قیراط کے عوض کام کرے گا؟ تو (اے اُمتِ محمدﷺ) یہ تم ہو۔ اس پر یہود و نصاریٰ کو غصہ آیا اور انھوں نے کہا کہ ہمیں کیا ہوا کہ ہم سے کام زیادہ لیا گیا اور معاوضہ کم دیا گیا ہے؟ تو اُس شخص نے کہا کہ کیا میں نے تمہارا حق ادا کرنے میں تم پر کوئی ظلم کیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ اُس شخص نے کہا کہ پھر یہ میرا فضل ہے جسے میں چاہوں عطا کروں۔''

زندگی تابع احکام قرآں نہیں تو کچھ بھی نہیں

طالب حسین، جھنگ

زندگی تابع احکامِ قرآں نہیں تو کچھ بھی نہیں
نیکی کا خوگر اگر انساں نہیں تو کچھ بھی نہیں

نماز روزہ اپنی جگہ ہیں فرض اوّلین یہ
''دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں''

صرف اچھا سوچ لینا نہیں خیر کی تکمیل
کردار سے اطوار سے عیاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

کتابوں پر رسولوں پر اور روز آخرت پر
پختہ اگر یقین و ایماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

سینکڑوں تمغے مل جائیں زندگی کی دوڑ میں
تری جبیں پہ سجدے کا نشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اسلام درس دیتا ہے بہترین اخلاق کا
گفتگو میں ہم شیریں زباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

لاریب اسم اعظم ہے اسم پاک اللہ کا
ذکر الٰہی وِردِ زباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

صبر اور توکل ہے دردِ دل کی چارہ گری
جس کسی کے پاس یہ درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

رو، رو کر طالبؔ ربّ سے بخشش طلب کرو
دربار الٰہی میں آہ و فغاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

پاکستان کی قومی سیاست میں سینٹ، قومی اسمبلی اور میڈیا پر اسلام کے ریفرنس کا بالکل فقدان بہت بڑا المیہ ہی نہیں عذابِ الٰہی کی علامت ہے

انجینئر مختار فاروقی

پچھلے ایک سال کے اخبارات اور میڈیا کے ٹاک شوز (TALK-SHOWS) کا بطور نمونہ ریکارڈ دیکھ لیا جائے تو یہ بات مجموعی طور پر اُبھر کر سامنے آئے گی کہ ہمارے ملکی سطح کے رہنماؤں کا اندازِ گفتگو ایوان کے اندر اور باہر سراسر اسلام کے ریفرنس اور تذکرے سے خطرناک حد تک عاری ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ آئے دن ہمارے ان ممبران پارلیمنٹ کا اندازِ گفتگو اسلام کی تعلیمات کے بارے میں توہین آمیز اور باغیانہ ہوتا جا رہا ہے اور بالواسطہ شدید تنقید لیے ہوتا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ ہمارے قومی رہنماؤں (جن میں ماشاء اللہ بعض علماء کرام بھی شامل ہیں) کی غالب اکثریت اپنی گفتگو کو سیکولر اور لا مذہبی بنا کر سامنے لاتے ہیں دراں حالیکہ یہی رہنما، پارلیمنٹ کے ممبر بنتے وقت جس بات کا حلف اُٹھاتے ہیں اس کا تقاضا اور ہے اور جو کچھ یہ ممبران پارلیمنٹ میں گفتگو کرتے ہیں، دلائل دیتے ہیں، ایوانوں میں بحث کرتے ہیں، میڈیا پر اظہارِ خیال کرتے ہیں اس میں نہ آئین کا ریفرنس یاد رہتا ہے اور نہ اسلام کا۔ حتیٰ کہ نہ اللہ تعالیٰ انہیں یاد آتا ہے اور نہ ہی نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ سے اپنا کوئی تعلق مستحضر رہتا ہے۔

ہاں ہمارے پارلیمنٹرین حضرات کی اکثریت کو اپنی مراعات میں اضافہ اور ذرا سی تنقید پر پارلیمنٹ کا استحقاق ضرور یاد رہتا ہے۔ اپنے استحقاق کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ،

قرآن، آئین، ملک، عوام کے حقوق اور انسانیت سے بھی زیادہ فائق سمجھتے ہیں (العیاذ باللہ)۔

قابل افسوس بات یہ ہے کہ ہماری قومی سیاست میں آئینی لحاظ سے اسلام کا جو مقام ہے وہ اسے نہیں دیا جارہا ہے اور قرائن سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ہمارے موجودہ ممبران پارلیمنٹ آئین پاکستان کے ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کوئی عزم اور ارادہ (INITIATIVE) بھی نہیں رکھتے۔ 'ارادہ' سے ہماری مراد یہ ہے کہ کیا ہمارے ممبران اسمبلی آئین پاکستان (جس کے تحت وہ مراعات لے کر اس باعزت مقام پر فائز ہیں) کو اہمیت دے کر اس کے مطابق ملک کو ڈھالنے کا عزم بھی نہیں رکھتے ہیں جس کا تذکرہ آئین میں یوں ہے کہ:

2. Islam shall be the State religion of Pakistan.

Islamic way of life

31. (1) Steps shall be taken to enable the Muslims of Pakistan, individually and collectively, to order their lives in accordance with the fundamental principles and basic concepts of Islam and to provide facilities whereby they may be enabled to understand the meaning of life according to the Holy Quran and Sunnah.

(2) The State shall endeavour, as respects the Muslims of Pakistan,_

(a) to make the teaching of the Holy Quran and Islamiat compulsory, to encourage and facilitate the learning of Arabic language and to secure correct and exact printing and publishing of the Holy Quran;

(b) to promote unity and the observance of the Islamic moral standards; and

(c) to secure the proper organisation of zakat [ushr] auqaf and mosques.

227. (1) All existing laws shall be brought in conformity with the Injunction of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah, in this part referred to as the Injunctions of Islam, and no law shall be enacted which is repugnant to such Injunction.

اگر ارادہ (INITIATIVE) ہے اور ہم حسن ظن کے طور پر فرض کر لیتے ہیں کہ تمام مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ اس کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس ارادے کا تقاضا ہے کہ اس کو پارلیمنٹ میں پیش کرنے اور منظوری کے مراحل سے گزار کر قانون بن کر نفاذ تک لانے سے پہلے ممبرانِ پارلیمنٹ کو خود اپنی زندگی میں ان چیزوں کا بدرجہ احسان اہتمام کرنا چاہیے اس لیے کہ مسلمانانِ پاکستان کے لیے کوئی قانون بنا کر نافذ کرنے کا حتمی نتیجہ یہی ہے کہ عوام اپنے آپ کو اس قانون کے مطابق ڈھالیں اور اپنا لائف سٹائل (LIFE STYLE) تبدیل کریں۔

ممبرانِ پارلیمنٹ سے آئین یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ قانون جو مسلمان عوام میں نفاذ کے لیے آپ بنانا چاہتے ہیں اس قانون کو پیش کرتے وقت ہی آپ کا اپنا کردار اس قانون کے مطابق ہونا چاہیے۔ یہ بات آئینی اور دینی اعتبار سے بھی ضروری ہے اور عرفاً اور اخلاقاً بھی معقول ہے کہ دوسروں کو کسی بات کا پابند کرنے سے پہلے وہ قانون بنانے والے ہمارے معزز ممبران پارلیمنٹ خود اس پر پورے اترتے ہوں ورنہ سگریٹ کے نقصانات پر کوئی مضمون لکھ کر عام کرنے کا ارادہ ہو مگر اس مضمون لکھتے وقت آدمی خود سگریٹ پی رہا ہوں تو یہ بات باعث شرم ضرور ہے۔ آج ہمارے ممبران پارلیمنٹ کی اکثریت کا ملکی حالات کے ضمن میں اسمبلی کے اندر اور باہر گفتگو میں اسلام کے تقاضوں کے نفاذ پر اصرار نہ کرنا اور ان تقاضوں کا اپنی زندگیوں میں بھی نمونہ پیش نہ کرنا اس بات کا اشارہ ہے کہ ہمارے ممبرانِ پارلیمنٹ ملک کو آئین پاکستان سے ماوراء اپنی ذاتی اغراض کے پیش نظر کسی اور نامعلوم سمت میں لے جانا چاہتے ہیں۔ یہی رویّہ قابل افسوس ہے۔ اگر ممبرانِ پارلیمنٹ کے معدودے چند افراد کا حال ایسا ہوتا تو قابل درگزر تھا مگر یہاں تو مقتدر طبقہ اور اپوزیشن سمیت تمام قومی رہنما اور جماعتیں اسلام کے نفاذ اور اسلام کے اصولوں کے مطابق ملک کو جلد از جلد آئینی طور پر مسلمان بنانے کے عزم سے تہی دامن نظر آتی ہیں اور اس سمت میں کوئی سرگرمی نظر ہی نہیں آ رہی۔ ہمارے نزدیک یہ رویہ بانیانِ پاکستان کے عزائم سے، اسلام سے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے، قرآن مجید سے اور آئین پاکستان اور حلف سے غدّاری کے مترادف ہے اور اس سمت میں کسی بہتری کے محسوس شواہد و قرائن نظر نہ آنا، اس مملکت خداداد میں (جس کا نام ہی اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے) عذابِ الٰہی کو دعوت

دینے کے مترادف ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنۡ ذَالِكَ

ہماری استدعا ہے کہ تمام ممبران پارلیمنٹ کو اپنے مقام و مرتبے (جو اس اسلامی ملک کے آئین نے انہیں دیا ہے) کے تقاضوں کے مطابق خود اپنے آپ کو پہلے ڈھالیں اور پھر عوامی سطح پر نفاذ کے لیے آئینی تقاضوں کے مطابق قانون سازی کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کو رحمت میں بدلنے کے فوری اقدامات کریں، تاخیر کی صورت میں سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ ایسی کوششیں صرف چھپ کر کرنے کا کام نہیں ملکی سطح پر اس ضمن میں کام ہوتا نظر آنا چاہیئے۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقۡنَا لِمَاتُحِبُّ وَتَرۡضٰی وَنَعُوۡذُبِكَ مِنۡ غَضَبِكَ وَسَخَطِكَ وَعَذَابِكَ

زینب کا قاتل یہ نظام ہے!

محمد رفیق چودھری

(بشکریہ ماہنامہ میثاق لاہور، فروری 2018ء)

قصور میں ۳۰۰ بچوں کے ساتھ زیادتی کے گھناؤنے انکشاف کے بعد ابھی تک قوم کے شرم سے جھکے سر اُٹھے نہیں تھے کہ ایک اور اندوہناک واقعہ نے پوری قوم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ سات سالہ زینب کے ساتھ جس درندگی اور بہیمیت کا مظاہرہ ہوا اُس پر اُس کے والدین پر جو قیامت گزری اس کا دکھ اور کرب سینے میں دل رکھنے والا ہر شخص محسوس کرسکتا ہے۔ پوری قوم اس المناک واقعہ پر سوگوار ہے۔ اس واقعہ کے بعد عوام کا دکھ' کرب اور اضطراب اس لیے بھی بڑھ گیا ہے کہ یہ اس طرح کا کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ پولیس رپورٹس اور مختلف تنظیموں کے ریکارڈ کے مطابق گزرے سال کے صرف چھ ابتدائی ماہ میں بچوں کے ساتھ زیادتی کے ۷۶۸ واقعات ہوئے' جن میں سے ۶۸ واقعات صرف ضلع قصور میں ہوئے ہیں۔ اس سے قبل قصور ہی میں تقریباً ۳۰۰ بچوں کے ساتھ زیادتی کا معاملہ سامنے آیا تھا جنہیں نشہ آور ٹیکے لگا کر اور ادویات کھلا کر زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور ان کی فحش ویڈیوز بنا کر انٹرنیٹ پر اپ لوڈ کی جاتی تھیں۔ واقعات جب میڈیا میں آئے تو انتظامیہ جاگی۔ معاملہ ایوانِ بالا تک پہنچا۔ پولیس متحرک ہوئی' درجنوں سی ڈیز اور فوٹو کلپس برآمد ہوئے۔ انکوائری ہوئی' فوری انصاف فراہم کرنے اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بلند و بانگ دعوے کیے گئے۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ قوم اس اندوہناک سانحہ کو بھول گئی اور ملزمان بھی رہا ہوگئے۔ اتنے بڑے واقعہ کا اصل ذمہ دار کون تھا؟ کون اس ابلیسی کھیل کو مسلمانوں کے

معاشرہ میں رچا رہا تھا؟ کون کون ملوث تھا؟ کس کس کے مفادات اس ابلیسی دھندے سے وابستہ تھے‘ آج تک قوم کے سامنے یہ بات نہ آسکی۔ زینب کیس کے بعد بھی حکومت اور مختلف اداروں کی طرف سے بڑے بڑے دعوے کیے گئے‘ جے آئی ٹی بنی‘ ملزم کو گرفتار کرنے کے کئی بار دعوے سامنے آئے۔ مگر اس کے باوجود کہ کئی واضح اور صاف سی سی ٹی وی فوٹیج میڈیا میں گردش کرتے رہے ابھی تک جو کچھ ہوا وہ بھی قوم کے سامنے ہے۔ پولیس ریکارڈ اور مختلف تنظیموں کے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ملک میں اوسطاً ہر روز گیارہ معصوم بچے جنسی درندگی کا شکار بنتے ہیں‘ جن میں سب سے زیادہ تعداد پنجاب کی ہے‘ جہاں ہر روز بچوں اور خواتین کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے کے ۴ سے ۵ واقعات ہو رہے ہیں اور ملزموں کو پکڑنے کی شرح ۲۰ فیصد سے بھی کم ہے۔

یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جو اسلام کے نام پر بنا تھا اور یہ سب اس قوم کے بچے ہیں جس نے اس نعرے اور اس دعوے پر اپنے گھر بار چھوڑے‘ عصمتیں لٹائیں اور ہر طرح کی جان و مال کی قربانیاں دیں کہ یہاں اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ ’’پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ‘‘ ان کا نعرہ اور دو قومی نظریہ ان کا نظریہ تھا کہ ہندو مشرک‘ غاصب اور متعصب ہیں‘ ہمارا ان کے ساتھ گزارا نہیں ہوتا‘ لٰہذا ہم اپنا ایک الگ وطن بنائیں گے کہ جہاں ہماری نسلیں قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ ان کے لخت جگر یہاں اس قدر مکروہ ترین ابلیسی کھلواڑ کا شکار بنیں گے جس کا تصور کسی بگڑے سے بگڑے ہوئے معاشرے میں بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ ہماری نسل کے ایک باعزت گھر کے بزرگ عمرہ کی ادائیگی کے لیے مقدس سرزمین پر پہنچیں گے تو انہیں وہاں ایک ایسی خبر ملے گی جس کی وہ اس معاشرے میں توقع بھی نہیں کر سکتے تھے جس کے لیے ان کے بزرگوں نے قربانیاں دی تھیں۔ انہیں کیا خبر تھی انہی کی نسل کی ایک بچی گھر سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنے نکلے گی مگر اس کے ساتھ درندگی‘ سفاکیت اور ابلیسیت کا ایسا مکروہ ترین کھیل کھیلا جائے گا جس سے انسانیت شرما جائے گی اور انسان کا اسفل سافلین ہونا ابھر کر سامنے آئے گا۔ آج قیام پاکستان کے لیے قربانیاں دینے والوں کی روحیں بھی کتنی شرمسار ہوں گی۔

ہمارا آئیڈیل نظام تو وہ نظام عدل اجتماعی تھا جس میں اکیلی عورت ایک شہر سے

دوسرے شہر سفر کرے مگر اُسے کوئی آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ کرے' جہاں زکوٰۃ دینے والا گلی گلی خوار ہوتا پھرے مگر اسے کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ملے۔ مگر ایسا کیا ہوا کہ آج ہم ایک ایسے نظام کی دلدل میں پھنس گئے جہاں ہماری عزت' جان و مال تک محفوظ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ معصوم بچوں کی زندگیاں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ جہاں خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے والوں کی تعداد میں جس تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے' اس سے چار گنا تیزی سے حکمرانوں کی آف شور کمپنیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ جہاں انسانیت ناپید ہے' جہاں معصوم اور بے گناہ لوگوں کی عزتوں اور عصمتوں کو بھی کاروبار بنالیا گیا ہے۔ جہاں خداخوفی' تقویٰ' پرہیز گاری کا نام تک نہیں۔ جہاں ابلیس ننگا ناچ رہا ہے۔ ہر نئی صبح ہمارے بھٹکے ہونے کی وعید سنا رہی ہے' ہر چڑھتا سورج ہمیں اصل راستے کی کھوج لگانے کی تلقین کر رہا ہے' ہر دن روح کو چھلنی کر دینے والا کوئی نہ کوئی واقعہ ہمیں سمجھ جانے اور ہر دن ایک نئی ٹھوکر ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی تاکید کر رہی ہے' مگر ہم ہیں کہ نہ ذرا ٹھہر کر سوچتے ہیں' نہ بھٹکنے کا احساس ہے اور نہ ہی انجام کی فکر ہے۔

آج زینب کا اندوہناک قتل جہاں قاتلوں کی عبرتناک سزا کا تقاضا کرتا ہے وہاں کیا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ ہم بحیثیت قوم کچھ دیر رُک کر سوچیں کہ ہماری منزل کہاں تھی اور کہاں پہنچ گئے ہیں؟ یہ سب ہمارے ساتھ کیوں ہو رہا ہے؟ کیا یہی ہمارے آباء و اجداد کی قربانیوں کا ثمر ہے؟ کیا اس لیے یہ ملک آزاد ہوا تھا؟ کیا اسی لیے ہم نے اپنے جوانوں کی گردنیں کٹوائی تھیں؟ کیا اسی لیے ہم نے اپنی جوان عزتوں کو جیتے جی کنوؤں کی نذر کیا تھا؟ کون ہے جو ہمیں اس تباہی کے دہانے پر لے آیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ جنہیں ہم راہبر سمجھ بیٹھے تھے وہی راہزن نکلے ہیں؟ ٹھوکر پر ٹھوکر لگنے کے باوجود ہم نہ یہ سب جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی یہ سوچتے ہیں کہ اس کا مستقل اور دائمی حل کیا ہونا چاہیے۔ بس دو چار مذمتی بیانات' پریس کانفرنسیں' صفائیاں' الزامات اور بس! سیاسی جماعتوں کا ایجنڈا زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ واقعہ کو اپنے سیاسی مفادات کے لیے استعمال کیا جائے۔ اپوزیشن میں ہیں تو حکومت کی نااہلی قرار دے دو' حکومت میں ہیں تو حکومت کے خلاف سازش قرار دے دو۔ این جی اوز اور سماجی تنظیمیں اپنا اپنا ایجنڈا لے کر سامنے آجاتی ہیں کہ بچوں کو جنسی تعلیم دو۔ سیکولر لبرل عناصر کا ایجنڈا تو اس سے بھی اوپر کا ہے کہ معاشرے میں جنسی

آزادی ہو۔ میڈیا سفارشی بھرتیوں کو خرابی کی وجہ قرار دیتا ہے۔ دانشور زیادہ سے زیادہ نظام کی خرابی کی بات کہہ دیتے ہیں‘ مگر اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک میں کوئی ایسا نہیں ہے جو یہ کہے کہ اللہ کی عطا کی ہوئی اس سرزمین پر اللہ ہی کا دیا ہوا نظام نافذ کرو تاکہ عدل وانصاف قائم ہو۔

چنانچہ حقیقت صاف طور پر واضح ہے کہ وہ نظام جو عدل وانصاف پر مبنی فطری نظام ہے‘ جو نہ صرف انسانوں کی جان‘ مال اور عزت کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے بلکہ انسانوں کی اخلاقی و روحانی تربیت بھی کرتا ہے‘ جو انسان کے اندر موجود حیوان کو لگام ڈال کر انسان کو اشرف المخلوقات بناتا ہے‘ اتنی ٹھوکریں کھانے کے باوجود بھی ہم اس فطری نظام کو اپنانے اور قائم کرنے کے لیے تیار نہیں‘ بلکہ آسمانِ مغرب سے آنے والی ہر ’’وحی‘‘ پر فوراً لپک کر جاتے ہیں کہ عورتوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی دو‘ انہیں گھروں سے باہر نکالو‘ بچوں کو جنسی تعلیم سے آراستہ کرو۔ اقبال نے کیا خوب کہا تھا:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر ؎
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمیؐ!

ہمارے ہاں جنسی تعلق کے لیے نکاح شرطِ لازم ہے اور کچھ مشرقی روایات کی پاسداری بھی ہے۔ شرم وحیا کے تقاضے بھی ہیں۔ مغرب میں معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ وہاں تو کھلی آزادی ہے‘ ننگ دھڑنگ معاشرہ ہے۔ وہاں کے اصولوں کو اگر یہاں اپنانے کی کوشش کی جائے گی تو اس کا لازمی نتیجہ وہی نکلے گا جو نکل رہا ہے۔ خود مغرب میں عورت کو جتنی آزادی حاصل ہے‘ کیا اس کے باوجود وہاں کی عورت محفوظ ہے؟ کیا بچوں کو جنسی تعلیم دینے سے زیادتی کی شرح کم ہوئی؟ بلکہ اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ مغرب ایسے واقعات میں سب سے آگے ہے۔ اس کے باوجود اگر ہمارے حکمت ودانش کے جادوگر مغرب سے ہی دوا لینے جاتے ہیں تو انہیں کم از کم اب سمجھ لینا چاہیے کہ اس سے ہمارا درد ہرگز ختم نہیں ہوگا بلکہ ہم مزید شیطنت‘ حیوانیت اور ابلیسیت کے دلدل میں پھنستے چلے جائیں گے۔ مغربی نظام کے لیے ہم نے اپنا وہ نظام چھوڑا جس کے لیے یہ ملک بنایا تھا‘ مغربی اصولوں کے لیے اپنے اصول چھوڑے‘ اپنی روایات کو چھوڑا‘ اپنی اقدار کو چھوڑا‘ مگر ’’مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی‘‘۔ عورتوں کی آزادی اور حقوق کا جتنا غلغلہ

این جی اوز نے اٹھایا ہے طلاقوں کی شرح اتنی ہی بڑھ گئی ہے۔ میڈیا کو جتنی آزادی ملی فحاشی اور عریانی اتنی ہی تیزی سے پھیلی۔ یہی میڈیا جو ایسے واقعات پر شور مچاتا ہے معاشرے میں جنسی اشتعال پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ نتیجتاً آج نہ اقدار ہماری اپنی ہیں' نہ روایات اپنی ہیں' نہ ہمارا خاندانی نظام محفوظ ہے' نہ عورتوں کی عزتیں محفوظ ہیں' حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اب قوم کے پھول جیسے معصوم بچے اور بچیاں ہوس اور درندگی کا نشانہ بننے لگے ہیں۔ چنانچہ یہ زینب کا قتل نہیں بلکہ ہماری اقدار کا قتل ہے' ہماری روایات کا قتل' ہمارے نظریات کا قتل ہے' اور ان سب کا قاتل وہ شیطانی نظام ہے جو ایک طرف فحاشی و عریانی کو فروغ دیتا ہے اور دوسری طرف نکاح کو مشکل بناتا ہے۔ جو عورتوں کو گھروں سے نکال کر چوک چوراہوں پر ان کی نمائش کرتا ہے' جو غریب کو غریب تر اور امیر کو امیر تر بناتا ہے' جو انسان کی اخلاقی و روحانی خاصیت کو مسخ کر کے اسے دنیا پرستی کی ترغیب دیتا ہے' جو انسانوں کو اشرف المخلوقات کے مقام و مرتبے سے اُتار کر حیوانیت کی سطح سے بھی گرا دیتا ہے۔

آیئے! ایسے باطل' دجالی' استحصالی نظام پر لعنت بھیج کر اپنے اصل کی طرف لوٹ آئیں اور اس فطری اور حقیقی نظام کو اپنے معاشرے میں قائم کریں جس کے لیے ہم نے یہ ملک بنایا تھا۔ جو قائداعظم اور اقبال کا خواب تھا۔ آیئے' اب بھی وقت ہے کہ ہم لوٹ جائیں اس راستے کی طرف جو رحمتوں' کامیابیوں اور کامرانیوں کا راستہ ہے' کیونکہ وہی ایک راستہ ہے جو رحمۃ للعالمین ﷺ کا بتایا ہوا راستہ ہے۔

۞۞۞

ایامِ رضاعت

(سیرتِ امام المرسلین ﷺ)

ساجد محمود مسلم

جب کوئی خاتون کسی بچے کو اپنا دودھ پلاتی ہے تو اس عمل کو عربی زبان میں رِضاع یا رِضاعت کہتے ہیں جبکہ دودھ پلانے والی مُرضِعَة کہلاتی ہے، جس کی جمع مراضع اور مرضعات ہے۔ قرآن حکیم (سورۃ البقرۃ:233) میں بھی یہ الفاظ اسی مفہوم کے ساتھ وارد ہوئے ہیں۔ اسی آیت میں والدین کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی اولاد کو کسی دوسری خاتون سے بھی دودھ پلوا سکتے ہیں۔ آیت کے الفاظ سے متبادر ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں کے ہاں دوسری خواتین سے دودھ پلائی کی خدمت لینے کا رواج عام تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اِذَا سَلَّمۡتُمۡ مَّاۤ اٰتَیۡتُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ O (233:02)

”اور اگر تم اپنی اولاد کو کسی دوسری خاتون سے دودھ پلوانا چاہو، تو تم پر کچھ گناہ نہیں، بشرط یہ کہ تم اسے متعارف اجرت دینے کے لیے خوشدلی سے راضی ہو جاؤ۔ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتا ہے۔“

اِذَا سَلَّمۡتُمۡ مَّاۤ اٰتَیۡتُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ (بشرط یہ کہ تم اسے متعارف اجرت دینے کے لیے خوشدلی سے راضی ہو جاؤ) کے الفاظ سے قوی اشارہ ملتا ہے کہ عربوں میں بھی دودھ پلوائی کی خدمت لینے کا رواج موجود تھا۔

رسولِ اکرم ﷺ دنیا میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے اپنی والدہ کا دودھ نوش فرمایا۔ تقریباً ایک ہفتہ تک آپ کی والدہ ہی آپ کو اپنا دودھ پلاتی رہیں۔ اس کے بعد آپ کے چچا ابولہب کی آزاد کردہ باندی ثویبہ نے بھی آپ کو دودھ پلانے کا شرف حاصل کیا۔ اس وقت نبی ﷺ نے ثویبہ کے بیٹے مسروح کے ساتھ ان کا دودھ پیا۔ (صحیح البخاری: ح ۵۱۰۱)

اسی دوران رسول اکرم ﷺ کے دادا جان عبدالمطلب اپنے پوتے کے لیے کسی ایسی باکردار اور قابلِ اعتماد خاتون کی تلاش میں تھے جو اسے دودھ پلانے کی مستقل خدمت قبول کرے اور وہ اسے اپنا پوتا سپرد کرنے میں پورا اطمینان بھی محسوس کریں۔ آخر عبدالمطلب کی نظرِ انتخاب بنوسعد کے سپوت ابوکبشہ حارث بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجہ سیّدہ اُمِّ کبشہ حلیمہ بنت ابوذُویب رضی اللہ عنہا پر جا ٹکی۔

سیّدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنوہوازِن کی شاخ بنوسعد سے تھا۔ بنوہوازِن مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں واقع صحت افزا مقام طائف کے گردونواح میں آباد تھے۔ غزوۂ طائف کی تفاصیل میں ان کے اس مسکن کی نشاندہی واضح طور پر کی گئی ہے۔ اگرچہ بنوسعد بھی اپنے باقی ہوازنی خانوادوں کی طرح طائف کے نواح ہی میں آباد تھے تاہم ان کا مسکن طائف کے مشرقی مضافات میں وسطی عرب کے مشہور مرتفع نجد میں واقع تھا۔ ان کا پیشہ باقی نجدی قبیلوں کی طرح گلہ بانی تھا، کیونکہ نجد میں بہت سے سبزہ زار پائے جاتے ہیں، جہاں آج بھی گلہ بانی سب سے بڑا پیشہ ہے۔

عبدالمطلب نے بنوسعد ہی کی خاتون کو اپنے پوتے کی رضاعت و تربیت کے لیے کیوں چنا؟ مؤرخین نے اس سوال کے مختلف جواب دیے ہیں۔

بنو ہوازِن قریش کا حلیف (اتحادی) قبیلہ تھا اور ان کا مسکن و ماحول صحت افزا و خوشگوار تھا، جہاں ننھے محمد (ﷺ) کی پرورش زیادہ بہتر انداز میں ہوسکتی تھی۔ مکہ مکرمہ کی آب و ہوا طائف کی نسبت کافی گرم ہے، حتیٰ کہ جنوری فروری میں بھی دن کے وقت مکہ کا درجہ حرارت 30 درجے سینٹی گریڈ سے زیادہ نہیں گرتا۔ اس کے برعکس طائف ایک صحت افزا گرمائی مقام (SUMMER RESORT) ہے، جس کا درجہ حرارت سردیوں میں کافی گر جاتا ہے، جبکہ گرمیوں میں معتدل ہوتا ہے۔ تاہم اس کے گردونواح کا درجہ حرارت عموماً سارا سال معتدل رہتا ہے۔ بنوسعد نجد کے جس مقام پر آباد تھے وہ طائف سے بالکل قریب تھا اور معتدل آب و ہوا کا

حامل تھا۔آج بھی گوگل میپس پر طائف کا نقشہ دیکھیں تو اس کے جنوب مشرق میں بنی سعد کے نام سے ایک وسیع خطہ دیکھا جا سکتا ہے، جہاں بنوسعد قبیلہ آج بھی آباد ہے۔

بنوہوازِن میں سے خاص بنوسعد کے چننے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ عرب اچھے نام سے خوش بختی اور برے نام سے بدبختی کا شگون لیتے تھے، بنوسعد کے نام سے ہی خوش بختی ٹپکتی ہے، چنانچہ یہ بھی بنوسعد کے انتخاب کی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ بنوسعد قریش کے پڑوس میں رہنے کے سبب انہی کے لب و لہجے میں عربی بولتے تھے۔ نیز بنوسعد بھی قریش کی طرح قبیلہ مُضر میں سے تھے اور بدوی زندگی بسر کرنے کے باعث ان کے لب و لہجے اور فصاحت و بلاغت پر وہ حضروی اثرات نہ پڑے تھے، جو عام طور پر مکہ جیسے تجارتی و مذہبی مرکز میں آباد لوگوں کے لب و لہجے پر رونما ہوتے ہیں۔قریش کی زبان میں بعض عجمی الفاظ عجمی قوموں کے ساتھ میل ملاپ اور خرید و فروخت سے ہی داخل ہوئے تھے،اس کے برعکس بدوی زندگی گزارنے والے اس قسم کے عجمی اثرات سے کافی حد تک محفوظ تھے۔اسی لیے رسول اکرم ﷺ سے جب ان کی فصاحت و بلاغت اور جامعیت کلام کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواباً فرمایا: ’’اوّل تو میں قریشی ہوں، دوسرا میں نے بنی سعد میں دودھ پیا ہے۔ یعنی میری ابتدائی پرورش بنی سعد میں ہوئی ہے۔‘‘ ۔(عبدالرحمٰن السہیلیؒ ،الروض الانف مع السیرۃ لابن ہشام، ج ۱،ص ۳۱۸)

نبی اکرم ﷺ نے اپنی عمر کا بالکل ابتدائی حصہ بنوسعد میں گزارا اور یہی وہ عمر ہوتی ہے جب بچہ پہلی بار کوئی زبان سیکھتا ہے۔ چنانچہ ان کی زبان وہی تھی جو سیّدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر والے بولتے تھے۔ ہر قوم کی زبان اور لب و لہجے کے کچھ ایسے امتیازات ہوتے ہیں جو کسی دوسری زبان میں پائے نہیں جاتے۔نسل در نسل وہی زبان مخصوص لہجے میں بولتے رہنے کی وجہ سے ہر قوم یا قبیلہ کی ذہنی ساخت، جبڑے اور زبان کی بناوٹ، حلق کے اندر موجود آلۂ صوت (ساؤنڈ باکس) اور آواز کی خصوصیات ایک خاص قالب میں ڈھلتی جاتی ہیں جو اس مخصوص زبان کے بولنے میں معاون و ممد ثابت ہوتی ہیں۔یہی سبب ہے کہ عربی زبان کو لغتِ ضاد اور عربی قوم کو اہل ضاد بھی کہتے ہیں کیوں کہ جس سہولت اور صحت کے ساتھ اصیل عرب حرف ضاد کا مخرج ادا کر سکتے ہیں، اس طرز پر کسی عجمی قوم کا فرد ادا نہیں کر سکتا۔ یہی حال دیگر زبانوں کا ہے۔ یہ بات

جس طرح ایک قومی زبان کے لیے سچ ہے اسی طرح اس کے الگ الگ لہجوں کے لیے بھی درست ہے۔ پس رسول اکرم ﷺ کو قبیلہ قریش کے جو مخصوص جسمانی اوصاف اپنے والدین سے وراثت میں ملے تھے ان کی وجہ سے قریش کا مخصوص لب ولہجہ ان کی شخصیت کا لازمہ تھا۔

کیا یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ مکے کے رئیس اور بیت اللہ کے متولی نے اپنے پیارے پوتے کو دو سال کی طویل مدت کے لیے رضاعت وتربیت کی غرض سے کسی ایسی اجنبی عورت کے سپرد کر دیا ہو جس سے اس کی ملاقات سرِ راہ ہوئی ہو اور وہ اس کے اخلاق و کردار، خاندانی پس منظر اور گھر کے ماحول سے قطعی ناواقف ہو؟ حاشا وکلا ایسا نہیں ہوسکتا۔ لامحالہ بنوسعد اور بنو ہاشم میں قریبی تعلقات رہے ہوں گے۔ یوں بھی بنوسعد کا نسب مُضر بن نزار پر بنو ہاشم کے ساتھ جاملتا ہے اور یہ خالص عدنانی قبیلہ ہے۔

اوپر مذکور ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ کی کنیت ابو کبشہ تھی اور وہ اپنے نام سے زیادہ اپنی کنیت سے پہچانے جاتے تھے۔ بنو ہاشم ہی نہیں دیگر قریش مکہ بھی ابو کبشہ سے خوب واقف تھے۔ ہمارے اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے اعلان کے بعد قریش مکہ نبی ﷺ کی تحقیر کی غرض سے انہیں ان کے اصل نسب کی بجائے ان کے رضاعی باپ کی نسبت سے ابن ابی کبشہ کہہ کر پکارتے تھے۔ حدیث وسیرت میں ایسے متعدد واقعات مروی ہیں جن میں قریش مکہ نے نبی ﷺ کو ابن ابی کبشہ کہہ کے پکارا تھا۔ نمونے کے طور پر یہاں صرف چند روایات کی طرف اشارہ کافی ہے۔ تقریباً سبھی معتبر کتب حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے قیصرِ روم کے نام خط، قیصرِ روم کی سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ سے گفتگو، اس کے ردّعمل اور قریش کی حیرت کا تذکرہ موجود ہے۔ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ (جو تا حال ایمان نہ لائے تھے) نے قیصرِ روم کے شاہی دربار سے باہر آ کر جو تبصرہ کیا اس کے الفاظ حدیث میں محفوظ ہیں:

فقلتُ لاصحابی حین اخرجنا: لقد اُمِرَ اَمرُ ابن ابی کبشة، انه یخافه ملك بنی اصفر (صحیح البخاری، کیف بدأ الوحی، رقم ۷)

''جب ہمیں وہاں سے باہر نکال دیا گیا تو میں نے اپنے ساتھی سے کہا: ارے ابو کبشہ کے بیٹے (محمد ﷺ) کی شان تو بہت بڑھ گئی ہے کہ بنی اصفر (رومیوں) کا

بادشاہ بھی اس سے خوف کھاتا ہے۔‘‘

امام ابن حجر العسقلانی ؒ اس جملے کی شرح میں نبی ﷺ کو ابن ابی کبشہ کہنے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں ابو کبشہ کون تھا؟

و قیل ھو ابوہ من الرضاعۃ و اسمہ حارث بن عبدالعزیٰ قالہ ابوالفتح الازدی و ابن ماکولا و ذکر یونس بن بکیر عن ابن اسحاق عن ابیہ عن رجال من قومہ انہ اسلم و کان لہ بنت تسمی کبشہ یکنی بھا (فتح الباری، ج۱، ص۵۴)

’’یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ (ابو کبشہ) دراصل رسول اکرم ﷺ کے رضاعی باپ ہیں جن کا نام حارث بن عبدالعزیٰ ہے۔ یہ امام ابوالفتح الازدیؒ اور امام ابن ماکولاؒ کا قول ہے۔ جبکہ یونس بن بکیر امام محمد بن اسحاق سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے بنوسعد کی قوم کے بعض لوگوں سے یہ روایت بیان کی ہے کہ (حارث بن عبدالعزیٰؓ) نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کی ایک بیٹی تھی جس کا نام کبشہ تھا اور اسی بیٹی کی نسبت سے ان کی کنیت ابو کبشہ پڑ گئی تھی۔‘‘

اسی طرح معجزہ شق القمر کی روایات میں بھی مذکور ہے کہ قریش نے شق القمر کا حیرت انگیز معجزہ دیکھ کر کہا: ھذا سحر ابن ابی کبشہ (مسند داؤد الطیالسی، رقم ۲۹۵، دلائل النبوۃ للبیہقی)
’’یہ تو ابو کبشہ کے بیٹے کا جادو ہے۔‘‘

اگرچہ شارحین حدیث نے کفار کی جانب سے نبی اکرم ﷺ کو ابو کبشہ کا بیٹا کہنے کے کچھ دوسرے احتمالات بھی بیان کیے ہیں، لیکن ان میں سے زیادہ قرین قیاس وہی ہے جسے ہم نے اختیار کیا ہے۔ مثلاً ایک احتمال یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے نانا وہب بن عبدمناف کی کنیت بھی ابو کبشہ تھی، یا یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے اجداد میں سے چھے افراد کی کنیت ابو کبشہ تھی، لیکن کیا اس سے نسب مجروح ہوتا ہے؟ بہر کیف وہ نبی ﷺ کے اجداد تو تھے ہی ناں۔ پھر اس میں حقارت کا پہلو کہاں سے نکل آیا؟ عربوں میں کتنے ہی ایسے لوگ تھے جن کی کنیت یا نسبت کسی دور کے رشتہ دار، جداعلیٰ یا کسی جانور یا مٹی وغیرہ سے منسوب کی گئی تھی۔ مگر اس میں وہ کوئی توہین یا تحقیر

محسوس نہیں کرتے تھے۔ مثال کے طور پر سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلی کے بلونگڑوں کی نسبت سے ابوہریرہ کہتے تھے مگر وہ خود یا دوسرے لوگ اسے تحقیر کا باعث نہیں سمجھتے تھے۔ رؤسائے کفار کے تکبر واستکبار سے سبھی لوگ واقف ہیں، وہ غریب بدّو ابوکبشہ حارثؓ بن عبدالعزیٰ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، لہٰذا ان کے زعم میں رئیس قریش اور بنوہاشم کے گل سرسبد جناب عبدالمطلب کے پوتے کو ایک غریب بدو کا بیٹا کہنے میں تحقیر کا پہلو نمایاں تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

غرض محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت وتربیت کے لیے بنوسعد کا انتخاب محض اتفاقیہ نہ تھا بلکہ اس کے پیچھے معقول وجوہات کارفرما تھیں۔ یوں بھی بنظر ظاہر تو بنوسعد کا انتخاب عبدالمطلب نے کیا تھا مگر درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب نبی کے لیے خاص انتخاب تھا۔ واللہ اعلم

سیدہ حلیمہ سعدیہؓ اور ان کے سب گھر والے ننھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت خیال رکھتے تھے، سیدہ حلیمہؓ ہمیشہ اس پیارے بچے کو اپنی نظروں کے سامنے رکھتی تھیں، یہ بچہ ان کی آنکھ کا تارا بن گیا تھا۔ وہ اپنے بچوں سے بھی بڑھ کر اس کی ضروریات کا خیال رکھتی تھیں۔ ادھر سیدہ آمنہ کے لیے اپنے لختِ جگر کی جدائی برداشت نہیں ہوتی تھی، چنانچہ سیدہ حلیمہ گاہے بگاہے بچے کو اس کی والدہ اور باقی خاندان والوں سے ملوانے کے لیے مکہ لے جاتی تھیں۔ وقت ایسے ہی گزرتا رہا تا آنکہ عرب دستور کے مطابق بچے کی رضاعت کی مدت پوری ہوگئی جو دو سال پر محیط تھی۔ سیدہ حلیمہؓ کی جان ننھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اٹکی ہوئی تھی، وہ ابھی اس مبارک بچے کو اپنے ساتھ مزید دن رکھنا چاہتی تھیں، مگر معاہدۂ رضاعت کی مدت پوری ہونے کے باعث چاروناچار بچے کو لے کر اس کی ماں کی خدمت میں حاضر ہوگئیں اور ان کی منّت سماجت کرنے لگیں کہ ابھی بچے کو کچھ اور مدت ان کے ساتھ رہنے دیں۔ سیدہ آمنہ دیکھ چکی تھیں کہ بنوسعد کے خوشگوار ماحول میں دو سال کی پرورش سے ان کے بیٹے کی صحت وجسامت بہت اچھی ہوگئی تھی اور بچے کی تربیت بھی خوب کی گئی تھی۔ اتنی کم سنی میں بھی بچہ بڑی فصاحت کے ساتھ عربی بولنے کے قابل ہوگیا تھا۔ بنوسعد نے ایک عمدہ نرسری ہونے کا ثبوت بہم پہنچا دیا تھا لہٰذا سیدہ آمنہ کو بنوسعد کی یہ نرسری بھا گئی۔ چنانچہ جدائی کے دن وصل میں ڈھلنے کی تمنا کے باوجود سیدہ آمنہ نے ننھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بادلِ ناخواستہ دوبارہ سیدہ حلیمہؓ کے سپرد کر دیا۔

واقعۂ شق صدر (سینے کا چاک کیا جانا)

سیّدنا محمد عربی ﷺ قابلِ رشک صحت اور قد وقامت والے لڑکے بالے بن گئے تھے، لہٰذا آپ نے نجد کے سبزہ زاروں میں گھومنا پھرنا، کھیلنا کودنا اور بھاگنا دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ آپ کے رضائی بہن بھائی صبح سویرے اپنی بھیڑ بکریاں چرانے کے لیے نکل جاتے تھے، آپ گھر میں تنہائی محسوس کرتے تھے، چنانچہ سیدہ حلیمہؓ سے اجازت لے کر آپ بھی اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ بھیڑ بکریاں چرانے کے لیے چلے جاتے۔ آپ کی رضائی والدہ دوپہر کا کھانا تیار کر کے ساتھ بھیجتی تھیں۔ ایک صبح جب آپ مویشی چرانے کے لیے نکلے تو دوپہر کا کھانا ساتھ لینا بھول گئے۔ آپ نے اپنے ایک رضائی بھائی کو کھانا لانے کے لیے واپس بھیج دیا اور خود بکریوں کے ریوڑ کے پاس رک گئے۔ اتفاقاً اس روز کوئی دوسرا بھائی ساتھ نہ آیا تھا۔ آپ اکیلے ہی کھڑے تھے کہ اچانک آسمان سے دو سفید گدھ نما پرندے اپنی طرف آتے دیکھے۔ قریب آنے پر معلوم ہوا کہ وہ تو سفید لباس میں ملبوس دو پروں والے آدمی ہیں۔ ان میں سے ایک کے پاس سونے کا طشت تھا جس میں برف رکھی ہوئی تھی، آپ ابھی انہیں حیرت سے دیکھ ہی رہے تھے کہ انہوں بڑے شفقت بھرے انداز میں آپ کو دونوں بازوؤں سے تھاما اور آہستگی سے کمر کے بل نیچے لٹا دیا۔ پھر انہوں نے آپ کا سینہ چاک کیا اور اندر ہاتھ ڈال کر آپ کا قلب مبارک باہر نکال لیا۔ پھر انہوں قلب مبارک کو چیر ڈالا اور اس میں سے دو سیاہ لوتھڑے نکال کر پھینک دیے۔ پھر انہوں نے برف سے آپ کا سینہ اندر سے دھو ڈالا۔ پھر (اسی برف کے پگھلنے سے بنے ہوئے) ٹھنڈے پانی سے آپ کا قلب مبارک دھویا۔ پھر قلب مبارک میں سکینہ (سکون) بکھیر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے آپ کا سینہ سی دیا۔ اس کے بعد (پشت کی جانب سے) عین دل کے مقام پر نبوت کی مخصوص مہر لگا دی۔ اس سارے عمل کے دوران نہ تو خون بہا نہ آپ کو کوئی تکلیف محسوس ہوئی۔ دفعتاً ایک ترازو ظاہر ہوا۔ ان میں سے ایک آدمی دوسرے سے کہنے لگا کہ انہیں ان کی امت کے مقابل تو لیے۔ پہلے آپ کو اپنی امت کے دس افراد کے مقابل تولا گیا، آپ کا پلڑا بھاری رہا، پھر آپ کو سو افراد کے مقابل تولا گیا مگر آپ کا پلڑا بھاری رہا۔ پھر آپ کو ہزار افراد کے مقابل تولا گیا مگر پھر بھی آپ کا پلڑا ہی بھاری رہا۔ تب وہ شخص کہنے لگا کہ اگر تم انہیں ان کی ساری امت کے مقابل بھی تولو گے تو بھی ان کا پلڑا ہی بھاری رہے گا۔ اس کے بعد وہ دونوں چلے گئے۔ اس ناگہانی حادثہ کے باعث

ننھے محمد ﷺ کا رنگ فق ہو رہا تھا۔ جب وہ فرشتے آپ ﷺ کا سینہ چاک کر رہے تھے تو اس دوران بعض بچے بھی وہاں پہنچ گئے انہوں نے یہ سب دیکھا تو خوف کے مارے کانپنے لگے اور سیدہ حلیمہ سعدیہؓ کو خبر دینے کے لیے دوڑے۔ بچوں نے جا کر بی بی حلیمہؓ کو بتایا کہ کسی نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر سن کر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ فوراً ان کی خیریت معلوم کرنے کے لیے دوڑیں۔ سیّدنا محمد ﷺ انہیں رستے میں ہی مل گئے۔ ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ بی بی حلیمہؓ نے لپک کر انہیں اپنے سینے سے لگایا، ماتھا چوما اور انہیں لے کر گھر پہنچیں۔ سیدہ حلیمہؓ کو اپنے لعل کی زندگی خطرے میں محسوس ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے بچے کو فوراً اس کی والدہ کے سپرد کرنے میں عافیت سمجھی۔ ایک اونٹ پر سوار ہو کر وہ مکہ پہنچی۔ سیدہ آمنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہیں سارا ماجرہ کہہ سنایا۔ خلافِ توقع سیّدہ آمنہ یہ ماجرہ سن کر ذرا بھی پریشان نہ ہوئیں اور الٹا سیدہ حلیمہؓ کو تسلی دینے لگیں کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہے۔ اس کی بڑی شان ہے۔ جب یہ پیدا ہوا تو میرے وجود سے ایک ایسا نور نکلا جس نے شام کے محل روشن کر دیے۔ تب کہیں جا کر بی بی حلیمہؓ کی جان میں جان آئی۔

مذکورہ بالا واقعہ شق صدر قوی طرق و اسانید سے متعدد کتب حدیث میں روایت ہوا ہے، بعض راویوں نے یہ واقعہ اختصار کے ساتھ اور بعض نے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ راقم نے ان روایات کا مجموعی مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی سعی کی ہے، جس میں حتی الوسع کوشش کی ہے کہ کوئی شئے اپنی جانب سے شامل نہ کی جائے۔ راقم نے واقعہ کا اصل مدار مسند امام احمد کی روایت (رقم الحدیث ۱۷۷۹۸) پر رکھا ہے، تاہم بیان واقعہ میں صحیح المسلم (کتاب الایمان: باب الاسرأ، رقم ۱۶۲)، دلائل النبوۃ للبیہقی (ج۱، ص ۱۳۹۔۱۴۱) اور سیرت ابن ہشام مع الروض الانف (ج۱، ص ۳۲۱۔۳۲۲) وغیرہ سے بھی مدد لی ہے۔ امام ابوالفداء اسماعیل بن کثیرؒ نے ان میں سے اکثر روایات البدایہ والنہایہ (ج۳، باب ذکر رضاعہ علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں جمع کر دی ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ شقِ صدر کا مذکورہ واقعہ ایک معجزہ ہے اور اسے حقیقت پر محمول کرنا اہل سنت کا مسلک ہے۔ یہ کوئی معنوی شئے نہیں کیوں کہ سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے صراحت کی ہے کہ نبی ﷺ کے سینۂ مبارک پر سلائی کے مدہم سے نشان انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ (صحیح مسلم: رقم ۱۶۲)

دسواں خلق:

ساتھیوں کی خدمت کرنا

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدّ ظلّہ

(بشکریہ ماہنامہ الاکابر جھنگ، دسمبر 2017ء)

ساتھیوں کی مدد کرنے والے کا مددگار اللہ ہے

مکارمِ اخلاق میں سے ایک خلق ہے ساتھیوں کی مدد کرنا۔ دو خلق آپس میں اس قدر قریب ہیں کہ اکثر ایک کی بات دوسرے میں بیان ہو جاتی ہے: ایک ہے حاجت مند کی مدد کرنا اور دوسرا ہے ساتھی کی خدمت کرنا۔ دونوں مضامین میں کئی باتیں ملتی جلتی ہیں لیکن اللہ کے محبوب ﷺ نے ان کو جو الگ الگ ذکر فرمایا تو اس میں بھی کوئی حکمت ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ

''جو اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی میں رہتے ہیں''۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۲۴۴۲، باب لا یظلم المسلم المسلم الخ)

یعنی جو بھائی کا کام کرتا ہے اللہ اس کے کام سنوارتے ہیں، جو بھائی کو خوشی پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو خوشی پہنچاتے ہیں۔

ساتھی کی اقسام

ساتھی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ ہوتے ہیں سفر کے ساتھی، کہ اکٹھا سفر کر رہے ہیں۔ جیسے معتکفین آپس میں دس دن کے ساتھی ہیں۔ یا ایک شیخ سے بیعت ہونے والے ایک دوسرے کے

لمبے وقت کے ساتھی ہوتے ہیں، تو یہ بھی ایک ساتھ ہے۔ شریعت نے اس ساتھ کا بڑا لحاظ کیا ہے۔ اب اس ساتھ میں آدمی کی بعض لوگوں کے ساتھ طبیعت ملتی ہے تو ان کو قریب کر لیتا ہے، ان کو دوست بنا لیتا ہے۔ اور جس سے دوستی ہو جائے اس کا حق اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ کوشش رہے کہ انسان اپنے ساتھ والے کا خیال رکھے۔ ایک عادت ہونی چاہیے، طبیعت ہی ایسی ہونی چاہیے۔

دسترخوان کے ساتھیوں کا خیال

بعض لوگ اپنے ساتھ والوں کا بالکل خیال نہیں رکھتے، مثلاً: دسترخوان پر بیٹھے ہیں تو بس ان کو اپنے کھانے کی فکر ہوتی ہے، ساتھ والے کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔ اچھا کھانا خود کھا رہے ہوتے ہیں اور یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ دوسرے کے سامنے پلیٹ بھی نہیں پہنچی۔ ویسے عمومی گشت ہر چیز میں ہوتا ہے لیکن کھانے کی پلیٹ آجائے تو اس میں خصوصی گشت ہوتا ہے کہ یہ صرف میرے سامنے پڑی رہے یا دو بندوں کے سامنے پڑی رہے۔ جتنے بندے دسترخوان پر بیٹھے ہیں سب کا حق ہے۔

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ اس شخص پر اتنا غصہ فرماتے تھے جو کھاتے پیتے دائیں بائیں خیال نہیں کرتا تھا۔ فرماتے تھے: ''تم انسان ہو یا حیوان ہو؟'' ان الفاظ سے خطاب کرتے تھے۔ حیوان وہ شخص ہوتا ہے جو خود چرتا ہے اور اسے یہ خیال نہیں ہوتا کہ دوسرا کوئی چر رہا ہے کہ نہیں۔ انسان تو انسان ہے اس لیے ساتھی کو بہتر چیز دینا، پہلے آفر کرنا، یہ ساتھ رہنے کا حق ہے۔

محلے کی مسجد میں محلے داروں کو مقدم رکھیں

شریعت کتنی خوبصورت ہے کہ تھوڑی دیر کے ساتھ میں بھی سمجھایا کہ بھائی کو مقدم کرو۔ اور اگر انسان مسجد میں آئے تو محلے داروں کا لحاظ کرے کہ ان کو پہلی صف میں جگہ ملے۔ اسی لیے نئے بندے کے لیے امام کے پیچھے آ کر کھڑا ہونا افضل نہیں۔ امام کے پیچھے مؤذّن کے کھڑا ہونے کی جگہ ہے، اس کے دائیں بائیں وہاں کے مقامی لوگوں کی جگہ ہے نیا آنے والا آدمی صرف پہلی صف کی فضیلت ہی پالے تو اس کے لیے کافی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ وہاں کے مقامی لوگوں کا لحاظ کیے بغیر وہ بس آئے اور امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے۔ اس کا خیال کرنا چاہیے۔

ڈرائیونگ کرتے ہوئے دوسروں کا لحاظ

آپ ذرا غور کریں کہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے کتنے لوگ دوسروں کا خیال کرتے

ہیں...؟ بعض کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بس ہم نکل جائیں اور دوسرے کا ذرا لحاظ نہیں کرتے حتیٰ کہ لوگوں کے گھروں کے دروازوں کے سامنے گاڑی کھڑی کر کے چلے جاتے ہیں اس کا خیال نہیں کرتے کہ کسی کے گھر کا راستہ بند ہو رہا ہے اس کی وجہ سے کسی کو تکلیف ہوگی.....

اپنے ساتھ والے سے یوں لاپرواہ ہونا اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے اور ہم میں سے اکثر لوگ اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہم نے تو بعض ملکوں میں یہ بھی دیکھا ہے کہ ریلوے لائن کے اوپر پھاٹک بند ہے تو ایک صاحب نے گاڑی لے جا کر کھڑی کی اور یہ صاحب جو ایم اے پاس ہیں اور کالج میں پروفیسر بھی ہیں، وہاں سے گاڑی نکالی اور جو دوسری سائیڈ تھی جہاں سے سامنے سے آنے والی گاڑیوں نے گزرنا تھا وہاں جا کر لگا دی جب پھاٹک کھلا تو ٹریفک جام ہوگئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اعلیٰ تعلیم نے اس بندے کا بال بھی بیکا نہیں کیا۔ کیا اثر ہوا اس پڑھائی کا؟ کیا فائدہ ہوا اس پڑھائی کا؟ عبادات ہوں یا معاملات، ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کو ہمیشہ ترجیح دیں۔

طواف میں دوسروں کا خیال

طواف میں دیکھیں! کتنے لوگ ہیں جو اتنا بھی خیال نہیں کرتے کہ اگر ایک گروپ جا رہا ہے تو اس کو گزرنے دو۔ وہ گروپ کے اندر سے کہنیاں مار کر گزریں گے۔ تو طواف میں کہنیاں مارنا اور آگے بڑھنا بتلاتا ہے کہ دوسرے کا بالکل احساس نہیں ہے۔

مفاد پرستی اللہ تعالیٰ کو ناپسند

اللہ تعالیٰ کو ایسا بندہ پسند نہیں جو مفاد پرست ہو۔ اس کے اندر ایک بیماری ہوتی ہے جس کو مفاد پرستی کہتے ہیں۔ اس کو بس اپنا مطلب چاہیے، دوسرے کی پرواہ ہی نہیں۔ ایک مولانا صاحب تھے، سبحان اللہ! رمضان کے مہینے میں ایک بندے نے ایک پورا جگ بہت لذیذ شربت کا بنا کر ان کو بھجوایا۔ ان کی مسجد میں افطاری کا انتظام ہوتا تھا، تو انہوں نے افطاری کے وقت اس مشروب کو لوگوں میں تقسیم کرنے کے لیے گلاسوں میں تھوڑا تھوڑا ڈالنے کے بجائے وہ جگ اپنے پاس ہی رکھ لیا جیسے ہی روزہ افطار ہوا تو..ماشاءاللہ...انہوں نے پہلے ایک گلاس بھر کر پی لیا، پھر اس کے بعد دوسرا گلاس بھر کے پی لیا، پھر تیسرا گلاس بھر کے اپنے ساتھ رکھ لیا اور جگ میں جو باقی ایک چوتھائی حصہ بچا تھا اس کے لیے شاگرد کو بلایا اور کہا کہ یہ سب میں تقسیم کر دو۔ شاگرد نے وہ دو

دو گھونٹ سب میں تقسیم کر دیے۔ پھر نماز پڑھائی اور نماز پڑھا کر امام صاحب جب فارغ ہو کر بیٹھے تو انہوں نے پھر تیسرا گلاس پیا۔ اب تیسرا گلاس پیا تو ڈکار آنا لازمی تھا جب ڈکار آیا تو انہوں نے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا: آج سب نے جی بھر کے پیا ہے یہ practical واقعہ ہے۔

تو انسان میں کئی مرتبہ اتنی مفاد پرستی ہوتی ہے کہ اس کو ساتھ والا نظر ہی نہیں آ رہا ہوتا۔ شریعت نے ایسے بندے کو بہت ناپسند کیا ہے۔ اس لیے اچھا انسان وہ ہے جس کا اگرچہ تھوڑی دیر کا ساتھ ہو مگر وہ ساتھ والے کا خیال رکھے۔ بے حس بندہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ دوسرے کا لحاظ کرنا، احساس کرنا، اکرام کرنا، یہ مومن کی صفات ہوتی ہیں۔

بہترین ساتھی کون؟

چنانچہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُ الْاَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهٖ (صحیح ابن حبان، حدیث:۵۱۹)

''اللہ کے ہاں بہتر ساتھی وہ ہوتا ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہوتا ہے''

تو ہمیں اپنے ساتھی کے لیے بہتر بننا چاہیے کہ اس کو مقدم کریں اس کو راحت پہنچائیں اس کا دل خوش کریں اس کے دل کے خوش کرنے پر گویا ہمیں اللہ رب العزت کی خوشی نصیب ہوگی۔

اچھے ساتھی کی تین صفات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ثَلَاثٌ يُصَفِّيْنَ عَلَيْكَ مِنْ وُدِّ اَخِيْكَ

''تین صفات ایسی ہیں جو تمہارے اندر بھائی کی محبت کو ظاہر کریں گی''

پہلی صفت: اَنْ تُسَلِّمَ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيْتَهٗ جب تم اس سے ملو تو سلام (میں پہل) کرو۔

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی کے اندر سلام کرنے کی عادت اتنی تھی کہ ان سے پہلے دوسرا بندہ ان کو سلام نہیں کر سکتا تھا بہت جلدی سلام کرتے تھے۔

دوسری صفت: وَ تُوَسِّعَ لَهٗ فِي الْمَجْلِسِ ''اور اس کے لیے مجلس میں جگہ بنانا''

اللہ اکبر! ہمارا حال تو یہ ہے کہ مجلس میں کیا جگہ بنانی، ہم نے دیکھا ہے کے حج پر آئے لوگوں میں سے کوئی مسجد میں نماز پڑھنے آجائے تو پہلے سے بیٹھتے ہوئے لوگ اسے صف میں بیٹھنے نہیں دیتے۔ حالانکہ اتنی جگہ ہوتی ہے کہ خود آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ آسانی سے اپنے

بھائی کو بیٹھا سکتے ہیں لیکن نہیں بٹھاتے بلکہ اگر کوئی آ جائے تو غصہ کرتے ہیں کہ کیوں آ گئے۔ حالانکہ اللہ کا گھر ہے سب حج کے لیے آئے ہیں لیکن ہم اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ آنے والے بھائی کے لیے آسانی سے جگہ بن سکتی ہے تو بنا دیں۔ الٹا جھگڑا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ تو مجلس میں بھائی کے لیے جگہ بنانا دوسری صفت ہے۔

تیسری صفت: وَ تَدْعُوْهُ بِاَحْسَنِ اَسْمَآئِهٖ اِلَيْهِ (شعب الایمان ۱۰۴/۹)

''اوراس کے نزدیک اس کا جو پسندیدہ نام ہو اس نام سے اس کو پکارے''۔

عزت کے نام سے پکارنے میں تواضع

عزت کے نام سے پکارنے میں تواضع ہے۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (شعب الایمان: ۱۸۴۰)

''جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا کرتے ہیں''

بہت سارے دوست ایک دوسرے کو پکارتے ہوئے صاحب کا لفظ ساتھ نہیں بولتے۔ مثلاً اگر دوست کا نام اشفاق ہے تو اسے اشفاق اشفاق کر کے بات کریں گے اشفاق صاحب کہنا موت نظر آتی ہے۔ اگر چہ دوستی ہے، بے تکلفی ہے، مگر عزت کا نام تو بولیں۔

حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جو آدمی دوسرے کو عزت کے نام سے نہیں پکارتا تھا اس کی بہت سرزنش فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب آئے اور کہنے لگے وہ فلاں آیا ہے حضرت نے بلا لیا اور فرمایا: وہ تمہارا چھوٹا بھائی ہے؟ کہنے لگا: جی نہیں۔ فرمایا: کون ہے وہ؟ بتایا کہ جی وہ عالم ہے۔ فرمانے لگے کہ نائب رسول کا ایسے نام لیا جاتا ہے؟۔ تو جو بندہ دوسرے کو عزت کے نام سے نہیں پکارتا تھا اس کے اوپر اس طرح غصہ ہوتے تھے۔ فرماتے تھے کہ چھوٹے بھائی کی طرح مت ڈیل کرو، وہ بڑے ہیں تم سے، ان کا مرتبہ پہنچانو۔

عورتوں کے لیے ہدایت

آج کتنی بیویاں ہیں جو اپنے خاوند کے نام کے ساتھ صاحب لگاتی ہیں شاید ہی کوئی بھولے سے کہے گی، ورنہ یہ اپنے خاوند کے نام کے ساتھ 'صاحب' کہنے والا کام عورتوں کے لیے بہت مشکل ہے۔ اس لیے کہ ناک جو اونچی ہے، اب وہ ناک گوارا نہیں کرتی کہ عزت کے ساتھ

پکارا جائے۔ کہتی ہیں کہ ان سے تو ہمارا تعلق اور طرح کا ہے اگر ایسا ہے بھی، تو کیا اس اور طرح میں عزت اور تکریم ختم ہوگئی؟ عزت وتکریم تو اپنی جگہ موجود ہے۔

اگر بیوی کو پتہ چل جائے کہ اگر میں اپنے خاوند کے نام کے ساتھ صاحب کا لفظ بول دوں تو اللہ تعالیٰ خوش ہوجائیں گے تو سوچیے کہ اللہ ربّ العزت کو راضی کرنے کا کتنا آسان طریقہ ہے۔ اس میں سوائے انانیت کے اور کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ شیطان کہنے نہیں دیتا۔ اس کو پتہ ہے کہ اگر یہ کہہ لے گی تو بڑا اجر پائے گی۔

ساتھیوں کی خدمت

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صَحِبۡتُ ابۡنَ عُمَرَ وَ اَنَا اُرِیۡدُ اَنۡ اَخۡدِمَهٗ، فَکَانَ هُوَ الَّذِیۡ یَخۡدِمُنِیۡ

’’میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت کے ارادے سے ان کی صحبت اختیار کی، لیکن وہ میری خدمت کرتے تھے‘‘۔ (مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا: ص100)

حالانکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ استاد تھے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگرد تھے۔ تو استاد اپنے شاگرد کا اتنا خیال کرتے تھے کہ گویا وہ ان کے خادم ہیں۔

ایک عجیب فرمان

ساتھی کا بہت حق ہوتا ہے۔ یزید ابن عبدالملک بن مروان اپنے ساتھ والوں پر بہت پیسہ خرچ کرتے تھے۔ ان کے آرام کے لیے، ان کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے بہت کھلے دل سے خرچ کرتے تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ان کے پاس بہت سے سارا مال آیا تو وہ اس کو اپنے ساتھیوں پر خرچ کرنے لگے اور فرمایا:

اِنِّیۡ لَاَسۡتَحۡیِیۡ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَنۡ اَسۡئَلَ الۡجَنَّةَ لِاَخٍ مِنۡ اِخۡوَانِیۡ وَ اَبۡخَلَ عَلَیۡهِ بِدِیۡنَارٍ اَوۡ دِرۡهَمٍ (الاخوان لابن ابی الدنیا: ص۲۲۹)

’’مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ اپنے بھائی کے لیے تو میں اللہ سے جنت مانگوں اور جب میرا معاملہ آئے تو میں ان پر درہم اور دینار خرچ کرکے کنجوسی کروں‘‘۔

حاجت روائی کے متعلق سلف صالحین کی مثالیں

ہمارے سلف صالحین نے ان خلاق کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ انسان سنتا ہے تو حیران ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَدْرَكْتُ اَقْوَامًا اِنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيَخْلُفُ اَخَاهُ فِیْ اَهْلِهٖ بَعْدَ وَفَاتِهٖ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً (معجم ابن المقری؛۵۲/۳)

''میں نے ایسے لوگوں کا زمانہ پایا ہے کہ جب ایک دوست اپنے دوست کی وفات کے بعد چالیس سال تک اس کے اہل خانہ کی کفالت کرتا تھا''۔

سلف صالحین کی زندگی میں ایسا ہوتا تھا کہ دو دوست ہوتے تھے، ایک فوت ہو جاتا تھا تو اب دوسرا دوست اپنے دوست کے گھر والوں کو چالیس سال تک نان نفقہ پہنچاتا رہتا تھا۔ صرف اس لیے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ یہ محبتیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، یہ الفتیں اللہ رب العزت کو بہت پسند ہیں اور یہ دین اسلام کی شان ہے۔ چالیس سال کی کفالت کہنے کو تو آسان ہے لیکن تصور تو کریں کہ کتنا مشکل کام ہے...!

ہر حال میں ساتھ دینا

چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے پوچھا: 'مَا الْكَرَمُ؟' کرم کیا ہے؟ 'قَالَ صِدْقُ الْاِخَاءِ فِی الشِّدَّةِ وَ الرَّخَاءِ' (مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا: ص۱۰۱)

'کہا: دوستی میں سچا ہونا تنگی ہو یا آسانی ہو'

اور آج کل تو اچھا حال آئے تو سب ساتھی ہیں اور ذرا برا وقت آئے تو پھر پتہ چلتا ہے کہ میں تو تنہا ہی تھا، میرے ساتھ کوئی نہ تھا۔ دین اسلام نے ایسا نہیں کہا۔ بلکہ فرمایا کہ جس طرح تم خوشی کے ساتھی تھے، اس طرح تم غم کے بھی ساتھی ہو۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ کتابوں میں لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوست کا کتنا خیال کرتے تھے۔ ابوعلی الرباطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صَحِبْتُ عَبْدَ اللّٰهِ الرَّازِی، وَكَانَ يَدْخُلُ الْبَادِيَةَ

''میں نے ایک دفعہ عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں دیہات کا سفر کیا''

فَقَالَ: اَنْ تَکُوْنَ اَنْتَ الْاَمِیْرُ اَوْ اَنَا؟ ''انہوں نے پوچھا کہ سفر کے امیر تم بنو گے یا میں؟''

شریعت کہتی ہے کہ دو بندے بھی سفر کریں تو وہ ایک کو امیر بنا لیں، تاکہ سفر آسان ہو جائے۔

فَقُلْتُ: بَلْ اَنْتَ میں نے کہا: نہیں آپ امیر ہیں۔

فَقَالَ: وَ عَلَیْكَ الطَّاعَةَ ''انہوں نے کہا پھر تمہیں میرے بات ماننی پڑے گی''۔

فَقُلْتُ: نَعَمْ! ''میں نے کہا بہت اچھا''۔

فَاَخَذَ مِخْلَاةً، فَوَضَعَ فِیْهَا الزَّادَ وَ حَمَلَهَا عَلٰی ظَهْرِهٖ

''اب انہوں نے ایک برتن لیا، اس میں زادراہ وغیرہ ڈالا اور اپنی کمر پر رکھ لیا۔''

فَاِذَا قُلْتُ لَهٗ: اَعْطِنِیْ ''جب میں نے یہ کہا کہ یہ مجھے دے دیں''

فَقَالَ: اَلَسْتَ قُلْتَ: اَنْتَ الْاَمِیْرُ؟ ''فرمانے لگے: کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ آپ امیر ہیں؟''

فَعَلَیْكَ الطَّاعَةَ اب آپ کو میری بات ماننی پڑے گی۔

فَاَخَذَ نَا الْمَطَرُ لَیْلَةً 'ایک رات بارش آ گئی'

فَوَقَفَ عَلٰی رَأْسِیْ اِلَی الصَّبَاحِ وَعَلَیْهِ کِسَآءٌ وَاَنَا جَالِسٌ یَمْنَعُ عَنِّیْ الْمَطَرَ

''(انہوں نے مجھے بٹھا دیا) اور اپنے کندھے کی چادر لی اور اسے پھیلا کر ساری رات کھڑے رہے اور میں چادر کے نیچے بیٹھا رہا، وہ (یوں) مجھ سے بارش کو روکتے رہے''

فَکُنْتُ اَقُوْلُ مَعَ نَفْسِیْ ''اور میرا یہ حال تھا کہ میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا''

لَیْتَنِیْ مِتُّ! وَلَمْ اَقُلْ : اَنْتَ الْاَمِیْرُ (احیاء علوم الدین: ۳/ ۷۶)

''کاش میں مرجاتا! اور میں نے یہ نہ کہا ہوتا کہ آپ میرے امیر ہیں''۔

سبحان اللہ! ساتھ نبھانے کا حق ادا کر دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی روح کو سمجھا تھا، جن کے اندر مومن کی سوچ اور حکمت موجود تھی کہ مومن کون ہوتا ہے، وہ اپنے ساتھیوں کا اتنا خیال کرتے تھے....!

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ حج کے سفر پر جاتے تو لوگ ان کے ساتھ جانا پسند کرتے

تھے۔ وہ جانے سے پہلے کہتے تھے کہ امیر بنالو۔لوگ کہتے کہ آپ سے بہتر guide کرنے والا رہبر، رہنما، امیر کون ہے؟ تو وہ کہتے: بہت اچھا۔ پھران سب کی خدمت خود کرتے، سامان بھی اُٹھاتے، کھانا بھی کھلاتے، پانی بھی پلاتے اوران کو کہتے کہ جو تمہارے پیسے ہیں وہ میں محفوظ رکھ لوں گا، مجھے دے دو۔تو تمام حاجیوں کے پیسے اپنے پاس شروع سے رکھ لیتے اور چونکہ وہ بہت وہ امیر تھے، ایک نواب کے بیٹے تھے،تو سارا سفر اپنے ذاتی پیسے خرچ کرتے رہتے، جب حج مکمل ہوتا اور گھر واپس جانے کا وقت ہوتا تو سب نے اپنے گھر والوں کے لیے، بچوں کے لیے تحفے تحائف لینے ہوتے تھے اس وقت ان کوان پیسے واپس کرتے کہ آپ اپنے پیسوں سے گھر والوں کے لیے تحفے خرید لیں۔حج کا سارا خرچہ خود کیا کرتے تھے۔

ساتھیوں کی مدد کرنا صدقہ ہے

نبی ﷺ نے فرمایا: ہر بندے کے جسم پر ہر جوڑے کے بدلے صدقہ ہے۔کسی کا سامان اٹھانا صدقہ ہے،سواری پر سوار ہونے میں کسی کی مدد کرنا صدقہ ہے اورکسی کو راستہ بتانا صدقہ ہے۔ساتھی کی خدمت کرنا بھی صدقہ ہے۔(کنزالعمال۔الفصل الثالث:فی انواع الصدقۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشادفرمایا:

مَنْ مَشٰی فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ وَ بَلَغَ فِیْھَا کَانَ خَیْرًا مِنْ اعْتِکَافِ عَشَرَ سِنِیْنَ (شعب الایمان،حدث:۳۶۷۹)

’’جوشخص اپنے بھائی کی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نکلا اوراس کو پہنچ گیا، یہ اس کے لیے دس سال کے نفلی اعتکاف سے بہتر ہے‘‘۔

اللہ رب العزت نے داوٗد علیہ السلام سے فرمایا:

اِذَا وَجَدْتَّ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَہٗ خَادِمًا (الرسالۃ القشیریۃ:ص۱۰۰)

’’جب تو میرے کسی طالب کو دیکھے تواس کا خادم بن جا۔‘‘

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ہر کہ خود را دید او محروم شد

ساتھی کے حق کا عملی نمونہ

اس کی مثالیں سلف سالحین کی زندگیوں میں دیکھیں۔ نبی ﷺ سفر میں تشریف لے

جا رہے ہیں، ایک صحابی بھی ساتھ ہیں، ایک جگہ نبی ﷺ نے دو مسواکیں بنائیں۔ ان میں سے ایک مسواک سیدھی تھی، خوبصورت تھی اور دوسری مسواک ذرا ٹیڑھی سی تھی۔ نبی ﷺ نے سیدھی مسواک اپنے صحابی کو دی تو صحابی نے کہا: اے اللہ کے حبیب! میرا جی چاہتا ہے کہ یہ خوبصورت اور سیدھی مسواک آپ کے پاس ہوتی۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ یہ مسواک آپ پاس ہوتی (احیاء علوم الدین: ۳/۵۹)۔ نبی ﷺ نے عملی طور پر دکھادیا کہ یہ ساتھی کا حق ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کا بے مثال خلق مبارک

حذیفہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ ہیں۔ گرمی کا موسم ہے۔ نبی ﷺ نہانے کے لیے کنویں پر تشریف لے گئے۔ گو قریب کوئی نہ تھا مگر اللہ کے حبیب ﷺ پردہ کرنا پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ حذیفہ رضی اللہ عنہ چادر پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور اس کی اوٹ میں اللہ کے محبوب ﷺ نے غسل فرمالیا۔ جب غسل فرمالیا تو اب نبی ﷺ نے فرمایا: حذیفہ! گرمی ہے جیسے مجھے غسل کی ضرورت تھی تمہیں بھی ہے۔ اب تم غسل کرلو میں چادر سے پردہ کروں گا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمایا: نہیں جیسے مجھے ضرورت تھی ایسے تمہیں بھی ضرورت ہے۔ نبی ﷺ نے اِصرار کیا اور تاکید کے ساتھ ان سے فرمایا کہ غسل کریں اور جتنی دیر وہ غسل کرتے رہے نبی ﷺ چادر کے ذریعے پردہ کر کے کھڑے رہے۔ یہ اللہ کے حبیب ﷺ کا خلق ہے۔ (احیاء علوم الدین: ۳/۵۹)

روزہ داروں پر خادموں کی فضیلت

چنانچہ انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قافلہ سفر پر جا رہا تھا تو اس میں ایسے لوگ تھے جو روزہ دار تھے چند ایک تھے جو روزہ دار نہیں تھے۔ جو روزہ دار نہیں تھے انہوں نے دوسروں کا سامان اٹھالیا اور منزل تک پہنچا دیا اور جب منزل پر پہنچے تو انہوں نے جلدی جلدی خیمے بھی لگا دیے، تاکہ روزہ دار لوگ سایہ کے اندر بیٹھ سکیں۔ جب افطار کا وقت ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ آج روزہ نہ رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے والوں سے زیادہ اجر عطا فرما دیا۔ روزہ رکھنے والوں کو تھوڑا اجر ملا اور جو خدمت پر لگ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو زیادہ اجر عطا فرما دیا۔ (صحیح مسلم، حدث: ۱۱۱۹ باب اجر المفطر فی السفر اذا تولی العمل)۔ اس لیے فرمایا کہ جب دو ساتھی دوست بنیں تو جو دوسرے کا حق بہتر ادا کرے وہ اللہ کو زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ (احیاء علوم الدین: ۳/۵۹)

اظہارِ تشکر کے طور پر نعمتوں کا استعمال محمود ہے

ہمارے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگ خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے زراعت کے لیے بہت زمین دی تھی اور تجارت کے لیے بہت مال دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ان کے گھوڑے لوہے کی نہیں، بلکہ چاندی کی کیلوں سے باندھے جاتے تھے اور ان کے خیمے کی کیلیں بھی چاندی کی بنی ہوتی تھیں۔ ایک حدیث میں فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یَّرٰی اَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ (ترمذی، حدیث: ۲۸۱۹) ’’اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں کہ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کا اثر دیکھیں‘‘۔

یہ نہیں ہے کہ اللہ کسی کو عطا کرے اور وہ کہے کہ میں نے تو اب پھٹا کپڑا پہن کر ہی رہنا ہے۔ آپ پھٹا کپڑا پہنیں گے تو کیا فقیر ریشم کے کپڑے پہنیں گے؟ وہ بیچارے کہاں سے لیں گے؟ شریعت نے کہا کہ تمہیں ملا ہے تم اچھے کپڑے پہنو۔ روز صدقہ کرو۔ کس نے منع کیا؟ تو امیر کو کہا کہ تم بے شک اچھے کپڑے پہنو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عملی مثال دی۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں یمنی چادر پینتالیس ہزار درہم کی ملتی تھی۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خرید کر اوڑھی اور تھوڑی دیر کے بعد اتار کر کسی کو صدقہ دے دی۔ آج ہے کوئی جوڑا جو پینتالیس ہزار ریال کا ملے؟ (اور ہے کوئی متبع سنت جو اس کو خرید کر پہنے اور تھوڑی دیر بعد کسی غریب کو صدقہ کر دے)۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی نعمت کے اظہار کے طور پر قیمتی کپڑے بھی پہنے۔

چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی اللہ رب العزت کی مجھ پر عنایت کی نظر ہوتی تھی تو الہام ہوتا تھا: ’’عبدالقادر اچھے کپڑے پہن میں تجھے دیکھوں‘‘۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا اثر اپنے بندے کے اوپر دیکھنا پسند فرماتے ہیں۔ تکبر نہ ہو، عجب نہ ہو دنیا کی محبت دل میں نہ ہو، بلکہ اظہارِ نعمت کے طور پر، اظہارِ تشکر کے طور پر انسان اس کو پہنے تو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہیں۔

قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم:

اَللّٰھُمَّ أَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَ أَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

اے اللہ! مجھے زندہ رکھ مسکینی کی حالت میں اور مجھے موت دے مسکینی کی حالت میں اور قیامت کے دن مجھے شامل فرمانا مسکینوں کی جماعت میں۔ (ترمذی، عن انس رضی اللہ عنہ)

مسائلِ میراث اور
ہمارے اُجڑتے خاندان

(حصہ پنجم)

حافظ مختار احمد گوندل

یتامیٰ کی کفالت و وراثت

یتامیٰ کی کفالت و وراثت کے جذبات خیر خواہی کو بھی خاندانوں میں ما بہ النزاع بنا دیا گیا ہے۔ کیونکہ مال و جائیداد کی وراثتی تقسیم تو ممکن ہے مگر یتامیٰ کی سپرداری اور تعلیم و تربیت کے معاملے میں خاندانوں میں ایک لامتناہی چپقلش جاری ہو جاتی ہے۔ اولاد اور خصوصاً یتامیٰ کی تربیت کا گو پہلا حق بیوہ ماں ہی کو حاصل ہے۔ لیکن مورث باپ کی طرح یہ بھی ورثاء ہی کی سرپرستی میں انجام پاتا ہے۔ عموماً بیوائیں دیگر خاندانی تنازعات یا اپنی گزشتہ زندگی کے تلخ تجربوں کا انتقام مرحوم کے ورثاء سے اس طرح لیتی ہیں کہ اپنے بچوں کو ورثاء کی قربت و محبت سے محروم رکھنے کا ہر حربہ استعمال کرتی ہیں۔ پھر انہی انتقامی جذبوں کے باعث ان کی تربیت سے غفلت شعاری، اسلامی روایات کے برعکس من چاہی تربیت، یہاں تک کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مورث کا کوئی بیٹا فوت بھی ہو جائے تو اس کی لاش کی تجہیز و تدفین تک کے معاملے سے بھی ورثاء کو محرومیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یعنی یتامیٰ کے بارے میں فریقین خدا خوفی سے عاری ہو جاتے ہیں۔ یوں گھر برباد اور یتیم خانے آباد ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یتامیٰ کی زندگیوں کا ایک لمحہ بھی اگر کسی کی اناؤں کی بھینٹ چڑھ جائے تو پوری کائنات کانپ اٹھتی ہے۔ خالق کائنات کا قہر و غضب تیغ براں بن جایا کرتا ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ ''اپنی اولاد کے ساتھ نیک سلوک کرو اور انہیں ادب سکھاؤ۔'' (ابن ماجہ)

☆ ''مسلمانوں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ نیک سلوک ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک ہو۔'' (ابن ماجۃ)

☆ ''جس کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ انہیں جوان ہونے تک کھلاتا پلاتا رہے تو وہ دونوں اسے جنت میں لے جائیں گی۔'' (ابن ماجۃ)

☆ ''جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان سے اچھا سلوک کرے تو اس کے لیے جنت ہے۔'' (ترمذی)

☆ ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔۔۔ پھر آپ ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔'' (بخاری)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس شخص کو عذاب نہیں دے گا جس نے یتیم پر شفقت کی، اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کی اور معاشرے کے محتاجوں و کمزوروں پر رحم کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے طرف سے ہونے والی عطا کے وجہ سے اپنے پڑوسی پر ظلم نہ کیا۔ پھر فرمایا: اے امتِ محمد ﷺ! قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس شخص کی طرف سے صدقہ قبول نہیں کرے گا جس نے غیروں پر صدقہ کیا حالانکہ اُس کے اپنے رشتہ دار اُس کے صدقہ کے محتاج تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اللہ تبارک و تعالیٰ روزِ قیامت اُس شخص کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔'' (طبرانی)

جبکہ قرآن حکیم میں 23 مختلف مواقع پر یتامیٰ کا ذکر ہے۔ جن میں یتیموں کے ساتھ حسن سلوک، اُن کے اموال کی حفاظت اور اُن کی نگہداشت کرنے کی تلقین کی گئی ہے، اور اُن کے ساتھ زیادتی کرنے والے، ان کے حقوق و مال غصب کرنے والے پر وعید کی گئی ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 30 سے 45 سال عمر کی 60 لاکھ سے زائد

بیوائیں ہیں۔شوہر کا انتقال بلاشبہ عورت کے لیے اندوہناک ہے اور تمام عمر وہ اس صدمے سے نکل نہیں پاتی،لیکن ایک المیہ یہ بھی ہے کہ اکثر شوہر کی موت کے اسباب دانستہ یا نادانستہ زندگی میں اسی بیوہ کے وہ تلخ رویے ہوا کرتے ہیں۔جنہیں اکثر و بیشتر خاندانوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔جس کی وجہ سے سسرال والے بھی اس کے اس رویہ کی وجہ سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔یہاں تک کہ کنبے کے تمام افراد مصائب و آلام کی ذمہ دار اسی بیوہ کو ہی ٹھہراتے ہیں۔مگر وہ اپنے ایام بیوگی بھی اسی انداز سے گزارنا چاہتی ہے جیسے خاوند کی موجودگی میں وہ گزارا کرتی تھی۔زندگی کی بعض حقیقتیں بہت تلخ ہوا کرتی ہیں،زندگی کو محض اپنی خواہشات کی بنیاد پر گزارا نہیں جاسکتا۔اس معاشرہ میں ایک بیوہ کو قدم قدم پر کسی نہ کسی کی سرپرستی کی ضرورت ہے،خواہ وہ دوسرا خاوند ہو،باپ ہو،بھائی ہو،یا سسر ہو وغیرہ،خصوصاً ایسی بیوائیں جن کے بچے ہوں تو وہ بھی محض بچوں کے بڑے ہونے کی امید پر تنہا زندگی گزار نہیں سکتیں،یہ محض جذباتی سوچ ہے۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان مسائل کے حل میں سب سے بڑی رکاوٹ خود وہی ہیں۔بچوں کے تحفظ اور اچھی پرورش کے لیے ننھیال یا ددیھال خاندانوں کا سہارا ناگزیر ہوتا ہے۔لیکن بیوائیں جب اپنے بچوں کو بھی مستقبل کی پنشن تصور کریں، کیوں کہ انہیں معلوم ہے کہ وہ مستقبل میں ان کی مالیاتی مدد کرنے کے قابل ہوں گے۔تو اس سرمایہ کو محفوظ کر لینا بھی اپنا حق سمجھتی ہیں۔حالانکہ ہر بچہ کا اپنا مستقبل،اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے بھرپور مواقع اور تمام وسائل و ذرائع ویسے ہی میسر ہونے چاہئیں جیسے ان کے والدین کو میسر تھے۔لیکن اگر وہ مایوسیوں اور محرومیوں کا شکار رہے ہوں تو ضروری نہیں کہ وہ معصوم بھی ان کی طرح حالات کے جبر کی چکی میں پس جائیں۔ماں باپ کی خدمت کے عنوان سے چائلڈ لیبر تو ہماری زندگی کا ایک قابل قبول حصہ بن چکا ہے۔بچے کے طور پر،نوجوان کے طور پر،مقامی مارکیٹوں میں،کھیتوں میں،اپنے والدین کے ساتھ،روزمرہ زندگی میں انہیں بے ہنگم استعمال کیا جاتا ہے۔اور یہ ایسا ہی رہے گا،کیونکہ جب تک غربت،لالچ،استحصال جیسی قباحتیں ہوں گی،تو بچوں کو اپنا بینک بیلنس ہی تصور کیا جاتا رہے گا۔اسلام میں بچوں کے جو حقوق ہیں ان سے اِغماض برتا ہی جائے گا۔البتہ والدین کے بڑھاپے اور طاقت نہ رکھنے کی صورت میں اُن پر خرچ کرنا اولاد کا فرض ہے۔اِسلام میں تو ان کے حقوق کا تحفظ ان کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی کر دیا گیا ہے۔

بچہ تو ابھی ماں کے پیٹ میں ہو تو وہ وارثت کا حقدار گردانا جاتا ہے۔اس لئے بچوں کے کردار پر تمام خاندان کی پوری توجہ ہو اور یہ اُس وقت ممکن ہے جب بچوں کی باقاعدہ نگہبانی ہو،ان کی تادیب ہو، اِسلامی تعلیمات وآدابِ زندگی سے آشنائی ہو۔

جو معاشی اور عائلی مسائل درپیش ہوں،تو ان سے نمٹنے کی فکر کرنا ہی عقل مندی ہے۔ یہ دانش نہیں کہ وہ ایک شکاری کی مانند انہیں اپنے من پسند مستقبل کے جال میں پھنسا کر ان کی ازدواجی زندگی بھی اپنی حرص وہوا کی آگ میں جھونک دیں،ان کی اَنائیں،نفرتیں،ذاتی بغض و عناد،اقرباءنوازی ومالی مفادات اور صدمات وجذبات اپنی جگہ مگر حقائق اور شرعی احکام کو بھی قطعاً نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔یہ مجرمانہ غفلت ہے کہ اولاد برباد ہو رہی ہو اور ایسی مائیں یا ایسے خاندان سکون کی نیند سوئے ہوں۔اسی سلسلے میں ایک افسوس ناک بلکہ قابل مذمت معاشرتی رویے کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ جوان کے وراثتی مالی استحصال کے بارے میں ہے،جنہیں وہ اپنا حق کہہ کر کھائے جا رہی ہیں۔اس جرم میں جو بھی ملوث ہو،جب یتامیٰ جواں ہوتے ہیں تو وہی قابل نفرین ہو جاتا ہے۔خواہ وہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار ہو،ماں ہو،ماموں ہو،کوئی ہو۔اس لئے کہ ڈاکو بہر حال ڈاکو ہوتا ہے اور ڈاکوؤں کو ہر شخص نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ترکہ ووراثت کی تقسیم ہمیشہ قریبی رشتوں میں ہوتی ہے اور جو اپنے اقرباء کے مال میں عدل نہیں کرتا وہ اوروں کے مال میں کب انصاف کر سکتا ہے۔نیکی کا آغاز اپنی ذات،اپنے اہل وعیال،اپنے اعزہ واقارب سے ہوا کرتا ہے۔جو اپنے آپ پر احکام شریعت ووراثت نافذ نہیں کر سکتا وہ دیگر افراد کے ساتھ بھی حسن معاملہ نہیں کرتا۔کسی والد کی رحلت کے بعد اس کی اولاد کی تمام تر ذمہ داریاں اس کے ورثاء کے کندھوں پر آجایا کرتی ہیں۔اس سے چشم پوشی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

وَ الۡوَالِدٰتُ یُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَیۡنِ کَامِلَیۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَ عَلَی الۡمَوۡلُوۡدِ لَهٗ رِزۡقُهُنَّ وَ کِسۡوَتُهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ لَاتُکَلَّفُ نَفۡسٌ اِلَّا وُسۡعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَامَوۡلُوۡدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَ عَلَی الۡوَارِثِ مِثۡلُ ذٰلِکَ (233:2)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں یہ (حکم) اس کے لیے

ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور پہننا دستور کے مطابق بچے کے باپ پر لازم ہے، کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ دی جائے، (اور) نہ ماں کو اس کے بچے کے باعث نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے سبب سے، اور وارثوں پر بھی یہی حکم عائد ہوگا‘‘

اس میں یہ حکم واضح ہے کہ شیر خوار بچہ کو ماں دو سال دودھ پلائے اور باپ پر یہ لازم ہے کہ وہ اس کے اخراجات برداشت کرے۔ اور اسی آیت میں ہے ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ﴾ ’’ویسا ہی وارث پر بھی ہے‘‘ یعنی اگر بچے کا باپ نہیں ہے تو اس کی کفالت کی ذمہ داری وراث پر ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ یتیم کی کفالت اس کے اعزہ واقارب پر ہی ہے۔ بالفاظ دیگر یتامیٰ کی کفالت ورثاء پر اسی طرح ہے جیسے ان کے آباء پر ہے۔ قرآن مقدس اور موجودہ قوانین میں بھی آبائی ورثاء کو ہی ان کی ذمہ داریاں تفویض کی گئی ہیں۔ حیف صد حیف آج یتامیٰ کے نزاعات سے کچہریاں بھری پڑی ہیں۔ کہیں تربیتی اخراجات کے نام پر وصول کئے جانے والے یتامیٰ کے اموال، کہیں ان کی وراثت، یوں جس کے ہاتھ جو لگا وہی اپنی ماں کا دودھ سمجھتے ہوئے ہضم کئے بیٹھا ہے اور یتامیٰ کی آہ وفغاں سے عرش الٰہی تو کانپ رہا ہے، مگر ’زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد‘ کا سماں ہے۔ البتہ اسلامی شریعت میں تو وراثتی تقسیم میں ناانصافی وظلم کی تلافی کے لیے وصیت کا قانون بھی موجود ہے، جس کے ذریعہ ان کی مدد کی جاسکتی ہے جو وراثت میں سے حصہ نہ پاسکے ہوں۔ آیاتِ وراثت کے نزول سے پہلے تو وصیت کا ہی حکم موجود تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كُتِبَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَكَ خَيۡرَ اۨ الۡوَصِيَّةُ لِلۡوَالِدَيۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ o(180:2)

’’تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آئے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو، تو والدین اور رشتے داروں کے لیے معروف طریقے سے وصیت کرے۔‘‘

آیاتِ وراثت میں جب مورث کے والدین اور قریبی رشتے داروں کے حصے متعین کر دیے گئے تو پھر وصیت کا یہ حکم وراثت نہ پانے والے رشتے داروں اور دیگر امورِ خیر کے لیے باقی رہا۔

چنانچہ آیاتِ وراثت میں یہ تاکید ہے کہ وراثت کی تقسیم ادائیگی قرض اور وصیت کو نافذ کرنے کے بعد کی جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ (11:4)
''جبکہ وصیت جو اس نے کی ہو، پوری کردی جائے اور قرض (جو اس نے لیا ہو) ادا کردیا جائے۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے صراحتاً مروی ہے کہ ورثاء، جن کے حصص قرآن مقدس میں مذکور ہیں، کے حق میں تو وصیت نہیں کی جاسکتی۔ (ترمذی) اسی طرح ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت بھی جائز نہیں ہے۔ (بخاری)

اسی بنا پر فقہاء نے لکھا ہے کہ ورثاء کے علاوہ دیگر عزیز و اقارب کے حق میں تہائی مال کی وصیت کرنا بعض حالات میں جائز، بعض حالات میں مستحب اور بعض حالات میں واجب بھی ہے۔ لہٰذا یتامیٰ کے حق میں وصیت کے ذریعے بھی ان کی ضروریات پوری کی جاسکتی ہیں۔ اگر کسی بیٹے کا انتقال اپنے باپ کی زندگی میں ہو جائے تو اس کی اولاد کے حق میں ایک تہائی مال تک کی وصیت کردی جائے، تا کہ وراثت سے محرومی کی بناء پر بے سہارا نہ ہو جائے۔

مورث کی وفات کے بعد خواب میں کی گئی وصیت اور اس کا نفاذ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ، جن کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا وارد ہوئی ہے: "اما ترضی ان تعیش حمیدا و تموت شهیدا؟" سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک جنگ میں شہید ہوئے کسی نے ان کے بدن سے ان کی زرہ اتار لی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو اس لشکر کے سپہ سالار تھے انھیں اطلاع ملی کہ خواب میں حضرت ثابتؓ نے اپنی زرہ کے بارے میں بتایا ہے اور وصیت کی ہے کہ ان کے فلاں فلاں غلام کو آزاد کردیا جائے کیونکہ یہ وعدہ تھا۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ نے زرہ ان کی تو برآمد کرلی تاہم غلاموں کی آزادی کے بارے میں دربارِ صدیقی میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ آیا مورث اپنی وفات کے بعد خواب میں کسی کو وصیت کرے تو وہ نافذ العمل ہوگی؟ جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ خواب میں اس صحابی رسول کی پہلی بات مبنی بر حقیقت ہے تو پھر دوسری بات پر بھی عمل کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ وہ شہید ہیں اور شہدا کی اخروی زندگی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ (154:2)۔

قرآن مجید میں ورثاء کے لیے یہ حکم بھی موجود ہے کہ جب مالِ وراثت تقسیم ہونے لگے تو

اس میں سے ان مستحقین رشتے داروں، یتامیٰ ومساکین کو بھی کچھ دیں جنھیں وراثت میں حصہ نہ مل رہا ہو

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاo (8:4)

''اور جب تقسیم کے موقع پر اقارب اور یتامیٰ اور مساکین آ جائیں تو اس مال میں سے انہیں دو اور انہیں قول معروف کہو۔''

اس آیت سے یہ رہ نمائی ملتی ہے کہ ورثاء کو ان رشتے داروں کا خیال رکھنا چاہیے اور حسبِ ضرورت ان کی مالی مدد کرنی چاہیے، جو وراثت میں حصہ نہیں پاتے۔ قرآن مجید میں صلہ رحمی کی تاکید کی گئی ہے اور قطع رحمی سے روکا گیا ہے۔ اس موضوع پر کثیر آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًاo (1:4) ''اور اللہ سے ڈرو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور قرابتی تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقیناً اللہ تم پر نگہبان ہے۔''

وہی دانش مند ہیں جو دیگر اوصاف کے ساتھ ان رشتوں کی پاس داری کرتے ہیں، جنھیں برقرار رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان لوگوں پر لعنت بھیجی گئی ہے اور آخرت میں برے ٹھکانے کی خبر دی گئی ہے جو ان رشتوں کو کاٹتے ہیں جنھیں جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لا یدخل الجنة قاطع (بخاری) 'رشتوں کو کاٹنے والا جنت میں نہیں جائے گا'۔

قانونِ وراثت کی نافہمی کی بناء پر بھی خاندانوں میں تنازعے جنم لیتے رہتے ہیں۔ جبکہ افراد کے حصص کا تعیّن کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ترکہ کی تقسیم کا نظام وضع فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَ لِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ

السُّدُسُ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِىْ بِهَآ اَوْدَيْنٍ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَاتَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًاo (11:4)

''تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اگر (میّت کی) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انھیں ترکہ کا دو تہائی، اگر ایک ہی لڑکی ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر میت صاحبِ اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ اور اگر وہ صاحبِ اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے۔ اگر میّت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصہ کی حق دار ہوگی۔ یہ تقسیم اس کے بعد ہوگی جب میت کی وصیت پوری کر دی جائے اور اس کا قرض ادا کر دیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمھارے ماں باپ اور تمھاری اولاد میں سے کون بہ لحاظِ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کئے ہیں اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے''۔

وراثتی تقسیم میں تاخیر

میّت کی تجہیز و تکفین کے بعد جو مال بچے اسے جلد از جلد تقسیم نہ ہونا بھی بہت بڑی وجہ نزاع ہے۔ نسل در نسل ترکہ تقسیم نہ ہونا جوائنٹ فیملی سسٹم کا امتیاز ہے۔ کیوں کہ مال خصوصاً جائیداد کئی پشتوں تک ایک ہی خاندان کے تصرف میں رہتی ہے اور پھر جب کبھی تقسیم کی نوبت آتی بھی ہے تو پھر ایسے قانونی مسائل جنم لیتے ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا مثلاً قیام پاکستان سے قبل شناختی کارڈ کا تصور بھی نہیں تھا اور اب اس کے بغیر وراثت کی تقسیم بھی نہیں ہوسکتی۔ تاخیری وباء تو نادیدہ مسائل کا انبار اور خاندانی نزاعات کو جنم دیتی ہے۔ وراثت سے محروم کر دینے والے تاخیری حربوں سے کام لینے والوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سی چیز انسان کے لئے نفع رساں ہے اور کون سی ضرر رساں۔ (جاری ہے)

فحاشی اور بے حیائی کا سیلاب
ذمہ دار اور قصوروار کون؟

ابوفیصل حاجی محمد منظور انور

ہنسی آتی ہے مجھے حضرت انسان پر
گناہ کرتا ہے خود، لعنت بھیجتا ہے شیطان پر

اسلام دشمن استعماری قوت امریکہ بہادر اور اس کے اتحادیوں نے مسلمان ممالک کے حکمرانوں کو اپنا ایجنٹ بنا کر مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ اتحادی ممالک کی حکومتوں کے ذریعے ان ممالک میں ثقافتی یلغار عروج پر ہے اسلامی نظریات سے دور کرنے اور مغربی اور دیگر شیطانی طاقتوں کے نظریات، ان کی ثقافت اور رسم ورواج کو جبری طریقے سے مسلمان ملکوں میں عام کیا جا رہا ہے۔ پاکستانی مسلمان اس سے قبل عریانی وفحاشی پر مبنی بھارتی ثقافتی یلغار کے ذریعے بری طرح متاثر ہو رہے تھے کہ اب دیگر مادر پدر آزاد مغربی طاقتوں نے بھی یہاں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل اور اپنی تہذیب وثقافت کو عام کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کرنا شروع کر رکھے ہیں ان ممالک میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت بے حیائی پر مبنی پروگراموں کو عام کیا جا رہا ہے۔ اہل کتاب ہونے کے دعویدار امریکہ اور دیگر مغربی ممالک نے تو ہم جنس پرستی کے حق میں قوانین بنا کر عذاب الٰہی کو دعوت دے دی ہے۔ ڈر لگتا ہے کہ نہ جانے کس وقت عذاب کا کوڑا نہ صرف انھیں بلکہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے کر بھسم کر دے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ ایسے قبیح افعال پر قوانین سازی کیے جانے پر اہل کتاب، دیگر مذاہب یا کسی بھی مسلمان ملک کے رہنماء میں اس کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت ہی نظر نہیں آتی ہے۔

ملک پاکستان میں بے حیائی اور فحاشی کا طوفانِ بدتمیزی آیا ہوا ہے۔الیکٹرنک میڈیا، ٹی وی، کیبل اور انٹرنیٹ کے ذریعے غیر ملکی ثقافتی یلغار نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اسلامی روایتی ثقافت کی جگہ بھارتی اور مغربی موسیقی اور ثقافت نے لے لی ہے۔انگریزی طرز پر بے تکے انداز میں نیم برہنہ رقص و گانے بجانے کے پروگرام پیش کیے جارہے ہیں بعض اوقات انگریزی طرز پر گانے والے مقامی گویوں کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے مقامی کتے انگریزی انداز میں راگنیاں گاتے بھونک رہے ہوں۔اس کے ساتھ ہی ملک بھر کے تقریباً تمام شہروں میں فحش ڈراموں کے ذریعے فحاشی پھیلانے کا سلسلہ جاری ہے کوئی شہر کوئی علاقہ ایسا نہیں جہاں مخرب اخلاق پروگرام نہ دکھائے جارہے ہوں اکثر چینلز پر کمرشل اشتہارات گانے بجانے والی بے حیا عورتوں کے ذریعے پیش کیے جاتے ہیں۔افسوسناک پہلو یہ ہے کہ یہ وبا اب تعلیمی اداروں کا رخ بھی کرچکی ہے جہاں آئے روز موسیقی کے پروگرام منعقد ہی نہیں ہورہے بلکہ موسیقی کو باقاعدہ تعلیمی نصاب میں شامل کیا جارہا ہے اور نونہالان چمن کو موسیقی کا رسیا بنانے کے لئے پورے وسائل استعمال کئے جارہے ہیں۔اب تو تعلیمی اداروں میں فن فیئر کے نام سے یا سالانہ تقریبات کے مواقع پر موسیقی کے پروگرام منعقد کرنا لازمی بن گیا ہے۔تعلیمی درسگاہیں مخرب اخلاق پروگرام منعقد کرنے میں پوری طرح آزاد ہوچکی ہیں۔افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ والدین کی اکثریت اپنے بچوں کو ایسے پروگاموں میں حصہ لینے سے روکنے کی بجائے ان کی حوصلہ افزائی کررہے ہیں نتیجہ بچوں سے جنسی زیادتی و بداخلاقی کے سینکڑوں واقعات ہونے کی صورت میں سامنے ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں موجودہ دور میں بے حیائی اور فحاشی کے پروگراموں کو عام کرنے میں بے حد اضافہ ہوا ہے، WWW (world wide website) کے نام پر کیبل نیٹ ورک کے پروگرامز نے ہمارے اسلامی معاشرے کی جڑیں ہلا کر رکھ دی ہیں سینکڑوں کی تعداد میں چینلز اور دیگر پروگرام دن رات فحش، گندے، گھٹیا، انسانیت سوز، غیر اخلاقی پروگرام دکھانے میں مصروف ہیں۔ظلم کی انتہا ہے کہ جن چینلز پر حکومت نے پابندی عائد کر رکھی ہے وہ بلاخوف وخطر دکھائے جارہے ہیں ننگ دیں اور ننگ وطن ایسے عناصر چند ٹکوں کے عوض ہمارے معاشرے میں بے حیائی کا زہر گھولنے میں مصروف ہیں۔کیبل نیٹ ورک پر خود ساختہ مقامی سٹی چینلز کے ذریعے اپنی مرضی کے پروگرام دکھاتے ہیں جن میں گھٹیا غیر معیاری اور غیر شائستہ زبان

بھی استعمال کی جاتی ہے یہ سلسلہ زور شور سے جاری ہے جس سے شہری سخت پریشان ہیں تاہم ان کے خلاف ایکشن نہ ہونے کی وجہ سے لوگ بھی خاموش اور بے حس ہو چکے ہیں۔

حکومت نے فحاشی پھیلانے والے پروگرام بند کرانے کے وعدے کیے مگر یہ ان کے سپانسرز ببانگ دہل یہ پروگرام دکھاتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا حکمران طبقہ مغربی تہذیب وثقافت کو اپنانے کے لئے ہمیشہ بے تاب نظر آیا اور وہ مغرب کی تقلید میں قوم کو رقص وسرود کی دلدل میں دھکیل دینے کے ایجنڈے پر ہمیشہ گامزن رہا ہے مختلف مذہبی رہنماؤں اور تنظیموں نے فحاشی کے سیلاب بارے موجودہ حکمرانوں کو توجہ بھی دلائی تھی اور علاقائی معززین اور مذہبی شخصیات پر مشتمل وفود نے یہ پروگرام بند کروانے کا مطالبہ کیا مگر کیبلز پرسٹی چینلز اور دیگر گندے پروگرام بند نہ ہو سکے۔ اس وقت یہ سلسلہ عروج پر ہے کیبل آپریٹرز نے پول کر کے ملک بھر کے اکثر شہروں کو ایک نیٹ ورک میں تبدیل کر دیا ہے اور اپنی لائسنسی حدود سے باہر بھی کام کر رہے ہیں۔ اشتہار بازی کا غیر قانونی دھندہ جاری ہے۔ روزمرہ استعمال کی اشیاء کی مشہوری بھی نیم برہنہ ماڈلز کے بغیر نہیں ہوتی۔ یہیں سے ہماری اخلاقی بے راہ روی اور تباہی کا آغاز ہوا ہے۔ LUX styl, Miss veet, fair & lovely اور اس سے ملتے جلتے کمرشل پروگرام نشر کرنے والے چینلز مادر پدر آزاد مغربی معاشرے کے عکاس ہیں جو کسی قانون اور قاعدے کے پابند نہیں مگر ایک مسلم معاشرے کے لئے سم قاتل ہیں۔ پیمرا قوانین کی صریحاً خلاف ورزی جاری ہے مگر متعلقہ ادارے خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں جبکہ حکمران اپنی کرسی بچانے کی فکر میں مدہوش ہیں۔ ایسے عناصر کے ساتھ حکومت کا نرم رویہ کس بات کی علامت ہے؟ اور انتظامیہ ان کے سامنے خاموش تماشائی کس لیے؟ عوامی سنجیدہ حلقے شہریوں کو تفریح کے نام پر بے حیائی پھیلانے والے عناصر اور ان کی سرپرستی کرنے والوں کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ شہریوں کو بے حیائی کی دلدل میں دھکیلنے کی بجائے صاف ستھرے تفریحی پروگرام دکھائیں منتخب قیادت کو ایسے واقعات کو روکنے کے لئے فوری طور پر سخت ترین قوانین سازی کرنی چاہئے اور مقامی طور پر شہریوں کو بھی عریانی وفحاشی پر مبنی پروگرامز دکھانے والے عناصر کے خلاف آواز بلند کرنا چاہیے تاکہ ہماری نوجوان نسل اور بچے بڑھتی ہوئی فحاشی اور بے حیائی سے محفوظ رہ سکیں۔

ہچکچایا میں خود کو مسلماں کہتے کہتے ‏ ‏ ‏ گونگی ہوگئی آج زباں کچھ کہتے کہتے

صاحبانِ اقتدار اور والدین واقعہ قصور کے پس منظر میں جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ ملک بھر میں روزانہ ایک زینب نہیں سینکڑوں معصوم بیٹیاں بیٹے ہوس کے پجاری ایسے ظالم درندوں کے ہاتھوں برباد ہو چکے ہیں اسی قصور ہی کے علاقے میں 2015ء میں تین سو کے لگ بھگ معصوم بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی اور ان کو بلیک میل کرنے کی غرض سے ویڈیو فلمیں بنانے کا سیکنڈل سامنے آیا، شور اٹھا مگر کچھ ہی عرصے بعد خفیہ ہاتھوں کے ایماء پر صوبائی حکومت کے بڑوں نے اسے زمین کے قبضے کے تنازعے کا نام دے کر معاملہ دبا دیا چہ جائیکہ ان ظالموں کو تختہ دار پر لٹکایا جاتا ان بدطینت قومی مجرموں کو رہائی مل گئی جس سے ان کے حوصلے بلند ہوئے جو متاثرہ خاندانوں کو ابھی تک ڈرا دھمکا رہے ہیں ایک اطلاع کے مطابق ایک ملزم کمرہ عدالت میں بھی ایک متأثرہ بچے کو دھمکاتا رہا ہے جج صاحب کے نوٹس میں آجانے کے باوجود ملزم کے خلاف کارروائی نہ کی گئی ایسے ہی گینگ میں شامل مجرموں نے تھوڑے ہی عرصے میں 13 بچیوں کو زیادتی کے بعد قتل کر دیا ہے جنسی درندگی کے بعد قتل کی جانے والی۔ معصوم زینب کے قاتل کی گرفتاری اور دیگر 8 معصوم بچیوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی میں ایک ہی ملزم کے ملوث ہونے اور DNA ٹیسٹ نے ہماری پولیس اور متعلقہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کارکردگی کا پول کھول دیا ہے کہ سینکڑوں پھولوں کلیوں کو مسلنے والوں مجرموں کی کافی عرصہ نشاندہی تک نہ کی جاسکی۔ ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ خادم اعلیٰ اس سنگین واقعہ پر شرمندہ ہونے کی بجائے اس پر بھی سیاسی پوائنٹ سکورنگ کرتے رہے ملزم کی گرفتاری پر مقتولہ زینب کے باپ کے سامنے تالیاں بجا کر سرکاری افسران کو داد دیتے رہے حالانکہ انھیں شرمندہ ہونے کی ضرورت تھی۔ شاید معمارانِ قوم، اساتذہ اور والدین نے بھی اپنے بچوں کی اخلاقی تربیت کے حوالے سے اغماض برتا اور اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں جس کے نتیجے میں ہمیں یہ شرمناک دن دیکھنے نصیب ہو رہے ہیں اسلامی اقدار اور اخلاقیات کا جنازہ نکل چکا ہے ہماری نوجوان نسل گمراہی کی دلدل میں دھکیلی جا چکی ہے اور پورا معاشرہ خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ آئے روز ایسے روح فرسا واقعات اخبارات میں شائع ہوتے ہیں اور پھر میڈیا پر شور مچایا جاتا ہے چور مچائے شور کے مصداق یہ سارا کچھ میڈیا کی آزادی کے نام پر ہی تو کیا جاتا رہا ہے۔ میڈیا کے ذریعے اپنی نوجوان نسل کی اسلامی روح کے مطابق اخلاقی تربیت کی بجائے دن رات مخرب اخلاق پروگرام دکھائے جائیں گے تو یہی نتیجہ تو نکلے گا جو بوئیں

گے، وہی کاٹیں گے۔ اخبارات اور میڈیا کو تو ایک ایشو چاہئے جس پر وہ ہنگامہ برپا کر دیں اور ٹاک شوز اور مضامین کے ذریعے اپنے اخلاقی انحطاط کی زور شور سے تشہیر کریں نہ کہ اپنے گھٹیا پروگراموں کو بند کر دیں کیونکہ ریٹنگ بڑھانے کے لئے میڈیا اخلاقی حدود کی پامالی میں آخری حدوں کو چھو چکا ہے بد اخلاقی کے مرتکب ایسے ملزمان کا دائرہ وسیع ہوتا نظر آرہا ہے۔کیا ہمارے اجتماعی ضمیر کو جھنجوڑنے کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے؟ مزید اس پر کہنے کو کچھ باقی بچا ہے؟ اگر 2012ء میں جماعت اسلامی کے قائد جناب قاضی حسین احمد مرحوم اور 2014ء میں تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید صاحب کی طرف سے ملک میں بے حیائی اور بڑھتی ہوئی عریانی کو روکنے کی اعلیٰ عدالتوں میں دائر رٹ کا بر وقت فیصلے آجاتا تو شاید ہمیں یہ دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے۔ نہ جانے ہماری اعلیٰ عدلیہ کب اس پر فیصلے صادر فرمائے گی۔ یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے جس کی بنیاد کلمہ طیبہ کے نام پر رکھی گئی تھی اور لاکھوں جانوں کی قربانیوں کا ثمر ہے مگر اسلامی نظام کا نفاذ نہ ہونے کی وجہ سے پورا معاشرہ گناہ آلودہ مغربی تہذیب کا دلدادہ بن کر مادر پدر آزاد افراد کی بداعمالیوں کا گھوارہ بن کر رہ گیا ہے ایسے واقعات میں ملوث بدفطرت ملزمان کو سزا سے بچانے کے لئے بھاری معاوضہ پر وکلاء دستیاب ہو جاتے ہیں جنھیں اپنی عاقبت سے زیادہ دنیا کی کمائی کی ضروت ہوتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ایسے ملزمان کو پاکستان میں وکلاء ہی دستیاب نہ ہوتے مگر ہوس زر نے ہمارے ضمیر مردہ کر دیے ہیں۔ ذرا غور کریں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اس میں ہم سب کا اپنا قصور ہے ہر حکمران نے بڑھتی ہوئی فحاشی اور عریانیت کو روکنے کی بجائے اس کی مکمل طور پر اعانت اور سرپرستی کی ہے۔ نا جانے مزید کتنی زینب ایسی معصوم کلیاں درندہ صفت بے غیرت مجرموں کی ہوس کا نشانہ بن کر قتل ہوتی رہیں گی۔ اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون فطرت ہمارے بازو مروڑنے کے لئے حرکت میں آئے ہمیں اپنی عادات واطوار خود بدلنا ہوں گی اور ایسا نہ ہو کہ وقت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں ایسے قبیح افعال پر پوری قوم کو اجتماعی توبہ واستغفار کرنے کی فوری ضرورت ہے۔ بقول علامہ اقبال

فطرت اَفراد سے اِغماض بھی کر لیتی ہے ۔۔۔ کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں معاف

مولانا غلام اللہ خان حقانی صاحب کی کتاب

''اسلام کے غلبے کا استدلالی پہلو''

کا دیباچہ

مذہب اور لا مذہبیت کی کشمکش بہت پرانی ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں ایک مخصوص لابی موجود رہی ہے جس نے ہر دور میں مذہب کو بدنام کرنے اور اسے بے اثر ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا گیا، سازشیں کی گئیں، مذہب کے اِبطال کے لیے طرح طرح کے دلائل قائم کیے گئے لیکن چونکہ مذہب کے اِثبات کے دلائل، اس کے اِبطال کے مقابلے میں کافی وزنی اور مؤثر تھے، لہٰذا ہر دور میں علمی اعتبار سے مخالفینِ مذہب ہار گئے۔ جب مخالفین مذہب علمی اور عقلی اعتبار سے مذہب کو غیر مؤثر اور غیر اہم ثابت کرنے میں ناکام ہوئے تو انہوں نے مذہب کی حقانیت اور اس کی اہمیت کو ختم کرنے کے لیے ظلم و جبر کا راستہ اپنایا۔ چنانچہ مذہب کے ماننے والوں پر تاریخ انسانی میں بے تحاشا ظلم و جبر ہوا۔

آج بھی مخالفین مذہب اس ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں۔ عام مشاہدے کی بات ہے۔ آج مذہب کے ماننے والوں پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ انہیں قید و بند کی صعوبتوں سے گزارا جا رہا ہے۔ دہشت گردوں، انتہا پسندوں اور بنیاد پرستوں کا لیبل لگا کر انہیں ختم کرنے کا جواز فراہم کیا جا رہا ہے۔ مذہبی عمائدین اور علماء کو ہراساں

کیا جا رہا ہے ان کے مدارس کو بدنام کر کے منہدم کیا جا رہا ہے اور اس میں پڑھنے والوں کو ڈرا دھمکا کر مذہبی تعلیم سے ہٹایا جا رہا ہے۔ اس سے ایک طرف لا مذہبیت کی بنیاد پر ایک ایسا تہذیب و تمدن تشکیل ہوتا جا رہا ہے جو مذہب کی برکات سے محروم تباہی و بربادی کی طرف گامزن ہے اور دوسری طرف مسلمان دانشور اور تعلیم یافتہ حضرات اس پورے عمل سے نہ صرف یہ کہ لاتعلق اور غافل ہیں بلکہ لا مذہبیت کے خلاف اس مقابلے کو صرف علمائے اُمت کی ذمہ داری قرار دے کر اپنے آپ کو بریٔ الذمہ قرار دے رہے ہیں اور اس کوتاہی یا احساسِ غیر ذمہ داری کا بہت بڑا نقصان اس صورت میں سامنے آ رہا ہے کہ ان حضرات کی توانائیاں مذہب کے خلاف خرچ ہو رہی ہیں بلکہ وہ غیر شعوری طور پر مخالفین مذہب کے کیمپ میں بیٹھے مذہب کے خلاف غیروں کے ہمنوا بن رہے ہیں۔ لہٰذا اس اَمر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ تعلیم یافتہ اور باشعور مسلمانوں کے سامنے مذہب کی اصل پوزیشن واضح کی جائے کہ مذہب ایک نظامِ زندگی ہے اسے اختیار کیا جائے، مذہب ایک تعلیم ہے اسے عام کیا جائے، مذہب ایک چراغ ہے اسے بجھنے سے بچایا جائے۔ نیز یہ کہ دانشور حضرات سے درخواست کی جائے کہ اگر وہ بولیں تو مذہب کے حق میں، لکھیں تو مذہب کی تائید میں اور زندگی گزاریں تو مذہب کے بتائے ہوئے اُصولوں کے مطابق اس لیے کہ دانشور طبقہ سوسائٹی کا برین ٹرسٹ اور دماغ ہوتا ہے۔ ان کی بات اور رائے میں وزن بھی ہوتا ہے اور اثر بھی۔ ان کی آراء اور خیالات معاشرے کو صحیح رُخ پر ڈال سکتے ہیں۔ لہٰذا عام مسلمانوں سے بالعموم اور دانشور حضرات سے بالخصوص میری ہمدردانہ اپیل ہے کہ وہ مذہب کے مؤید بن کر اُٹھیں اور مقابلہ کریں اُس منظّم پروگرام کا جسے مخالفین نے مذہب کو بدنام کرنے کے لیے بنایا ہے اور توڑیں اُس مؤثر پروپیگنڈہ کو جو مذہب کے خلاف وسیع پیمانے پر پھیلایا جا رہا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے قارئین کو مذہب کی نصرت و تائید میں بہت سا قیمتی مواد بھی ملے گا اور ایمان کی تقویت کا سامان بھی۔ ان شاء اللہ العزیز

’انگلستان میں اسلام‘
ایک مختصر انسائیکلو پیڈیا

محمد فیاض عادلؔ فاروقی۔ لندن

برطانیہ کے معروف عالمِ دین، داعیٔ اسلام، خطیب، مصنف اور شاعر ڈاکٹر صہیب حسن کی تازہ ترین اردو تصنیف ’انگلستان میں اسلام‘ ۲۱۰ صفحات کا ایک مختصر دائرۃ المعارف (موسوعہ، مَعلَمہ یا انسائیکلوپیڈیا) ہے جسے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی دعوۃ اکیڈمی نے کاغذی جلد (پیپر بیک) پر شائع کیا ہے۔ طباعت ادارہ تحقیقاتِ اسلامی پریس نے کی ہے۔ سادہ کاغذ والی اس کتاب کی قیمت ہر اہلِ ذوق کے بس میں ہے یعنی صرف ۳۰۰ روپے۔ ۲۰۰۰ کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہونا بھی اس کتاب کی ضرورت اور مقبولیت کی دلیل ہے۔ (ناشر: دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد P O Box 1485)

موضوع کو جامعیت لیکن اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ایک نظر میں برطانیہ میں اسلام کے ماضی، حال اور مستقبل کا نقشہ سامنے آجائے۔ فاضل مصنف واضح طور پر ایک مکتبۂ فکر یعنی مسلکِ اہل حدیث کے سرکردہ رہنما بلکہ جمعیتِ اہلِ حدیث برطانیہ کے بانیوں میں سے ایک ہیں لیکن جس غیر جانب داری، اعتدال اور مصنفانہ دیانت کے ساتھ موضوع کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے وہ دیگر اصحابِ علم وفقہ کے لئے قابلِ تقلید ہے۔ کتاب میں چند مراکزِ اسلامیہ کی تصاویر اور آخر میں ایک اشاریۂ اشخاص و مساجد و مراکز کے علاوہ مسلکی بنیادوں پر موجود مساجد کا گوشوارہ قابلِ ذکر پہلو ہیں۔ لندن میٹروپولیٹن پولیس کے محمود نقشبندی کے تیار کردہ اس اشاریے کی رو سے بلحاظ مسلک رجسٹرڈ مساجد کی تفصیل کچھ یوں ہے: دیوبندی ۶ء۴۴ فیصد۔ بریلوی ۲ء۲۸ فیصد۔ سلفی ۷ء۵ فیصد۔ شیعہ ۲ء۴ فیصد۔ جماعت اسلامی ۷ء۲ فیصد۔

پہلے پچاس صفحات میں جن موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے ان کا اجمالی ذکر ہی اس

کتاب کی افادیت کے ثبوت کے لئے کافی ہے مثلاً جاہلیتِ مشرق، جاہلیتِ مغرب، دعوتِ اسلام کے سلسلے میں اہم مسائل، جزائر انگلستان میں اسلام کی آمد، صلیبی جنگوں سے پندرھویں صدی تک، تذکرہ سولھویں اور سترہویں صدی کا، اٹھارھویں اور انیسویں صدی وغیرہ۔ ان موضوعات کا اتنے کم صفحات میں احاطہ کمالِ فن کا تقاضا کرتا ہے اور یہ کمال اس تصنیف میں کر دکھایا گیا ہے۔

اس اجمالی تعارف کے بعد انیسویں، بیسویں اور اکیسویں صدی میں برطانیہ میں مسلمانوں کی خدمات اور ۳۲۱ سے زیادہ مساجد اور درجنوں اسلامی شخصیات اور اداروں کا نام بہ نام تعارف اپنی جگہ ایک علمی کارنامے سے کم نہیں جس کی بنا پر مصنف کی یہ تصنیف ایک حوالے کی کتاب (ریفرنس بک) کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ یہ گویا مولانا علامہ ڈاکٹر صہیب حسن عبدالغفار کا برطانیہ کی مساجد و مراکزِ اسلامی کا ایک 'معجم المساجد' ہے۔ اس موضوع پر لکھنے والا آئندہ کا ہر مصنف اس مختصر انسائیکلوپیڈیا کا مطالعہ کئے بغیر آگے نہیں چل سکے گا۔ یہ کتاب مولانا صہیب حسن کا نام برطانیہ کی اسلامی و ادبی تاریخ میں زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

صفحہ ۴۲ پر انگلینڈ، سویڈن اور ناروے کے بادشاہ جارج دوئم کا اندلس کے اموی خلیفۃ المسلمین ہشام سوئم کے نام ایک خط قابلِ غور ہے۔ یہ خط پڑھیے اور آج کی امتِ مسلمہ کی حالت سے موازنہ کر کے عبرت اور سبق حاصل کیجئے:

''انتہائی احترام اور تکریم کے جذبات کے ساتھ، ہم نے آپ کے ملک کی تعلیمی درس گاہوں اور صنعت و حرفت کی ترقی کے بارے میں سنا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے بھی آپ کے نمونے کو اختیار کر کے اور آپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے، ہمارے تاریکیوں میں گھرے ہوئے ملک کو، نورِ علم سے روشن کر سکیں۔ مَیں اپنی بھانجی شہزادی ڈوبانٹ کو چند انگریز اشرافیہ سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کی سربراہ کی حیثیت سے آپ کے پاس بھیج رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ آپ کی مشفقانہ نگہداشت اور نظرِ عنایت کی مستحق ہوں گی اور آپ کے عالی وقار دربار کی حفاظت میں مربی خواتین سے اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کر سکیں گی۔ شہزادی کے ساتھ مَیں ایک حقیر سا تحفہ بھی بھیجنے کی جسارت کر رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جنابِ عالی اسے درجۂ قبولیت سے نوازیں گے۔ احترام اور سچی محبت کے جذبے کے ساتھ

آپ کا اطاعت گزار خادم۔ جارج''

تبصرہ وتعارفِ کتب

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

1 سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ

سیرت النبی ﷺ کے شاداب پھول

مصنف: شیخ عمر فاروق مدظلہ العالی

مقام اشاعت: جامعہ تدبر القرآن، وحدت کالونی، لاہور

زیر تبصرہ کتاب پیرانہ سالی کے باوصف قلم وقرطاس کے شناور ایک ایسے محقق کی تصنیف ہے، جن سے ملاقات کے بعد عشق رسول میں غوطہ زن اس عظیم ہستی کی عرق ریزی اور ان کے ایقان واطمینان کی وہ کیفیات جن سے خدایاد آجائے بچشم خود ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سیرت لٹریچر کے گرچہ انبار لگ چکے ہیں اور ہر آنے والی تحقیقی کاوش کو حتمی تو نہیں کہا جاسکتا۔

عمر دراز گشت و بپایاں رسید عمر ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

مگر بازارِ مصر کے خریداران حسن یوسف میں ان کا نام تو شمار ضرور ہو جاتا ہے۔ 1370 صفحات پر مشتمل دو ضخیم جلدوں میں سیرت کا یہ حسین شہ پارہ جس کے ہر باب کا آغاز کلامِ الٰہی کی آیات سے ہوتا ہے، جو جید مفسرین کے تفسیری اقتباسات سے مملو ہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی سیرت خلقه القرآن کی عملی تصویر ہی تو ہے۔ جن سے آگہی صاحب تصنیف کا اعزاز وامتیاز ہے۔ جیسا کہ وہ جلد اوّل کے صفحہ 27 پر رقم طراز ہیں: ''یہ سیرت طیبہ کی مستقل کتاب نہیں ہے، بلکہ قرآنِ حکیم کی روشنی میں دروس ہیں اور اس کی ابدی اور لازوال تعلیمات ہیں اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ

تو قرآن کی جیتی جاگتی تصویر ہے''۔

سیرت طیبہ پر روایتی تالیفات سے جداگانہ اسلوب تحریر کے باعث خصائص و صفات سیرت النبی ﷺ کے ساتھ ساتھ سیرت پر مختلف عناوین قائم فرماتے ہوئے جامع موضوعاتی معلومات صفحاتِ قرطاس پر شمیم صبح کی مانند بکھری نظر آتی ہیں۔ جو اصلاح و تربیت عملی کے احساسات اجاگر کرنے کا تریاق ہیں۔ اس پر مستزاد بر عظیم کے اکابر سیرت نگاروں کے وہ خصوصی مقالات جن کی اثر آفرینی مسلّم ہے، بھی جلد دوم کے اختتام پر شامل کر دیے گئے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ کے ان شاداب گلوں کو سمیٹنے کا ذوق حسن و جمال اس کے طباعتی اوصاف سے عیاں ہے۔ تالیف ہذا تعلیمی، دینی و عوامی کتب خانوں کی ناگزیر ضرورت اور داعیان الی اللہ کا تربیتی نصاب ہے۔

2 اسلامی قانون کی تشکیل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا کردار

مصنف: ڈاکٹر عرفان خالد ڈِھلوں

ناشر: الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور

زیر تبصرہ کتاب دراصل 1993ء میں مرکز تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور کے فقہی و تحقیقی مجلّہ 'منہاج' میں مقالہ نگار کے شائع شدہ مضمون 'قول صحابی رضی اللہ عنہ کی فقہی حیثیت' اور پھر ''آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کی تشریعی حیثیت اور فقہ اسلامی پر ان کے اثرات'' کے عنوان سے ان کے پی ایچ ڈی مقالہ میں ترمیم و اضافہ ہے۔ 123 صحابہ رضی اللہ عنہم اور 217 فقہاء کرام کا تذکرہ، 113 ضروری فقہی احکام، پانچ ابواب اور 450 صفحات پر اسالیب و اجتہادات صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایسی تحقیقی تالیفات مارکیٹ میں کمیاب ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسلام قبول کرنے میں سبقت، بعد از انبیاء علیہم السلام تمام انسانوں پر فضیلت، صداقت و عدالت، فلاح و مغفرت پر قرآنی بشارت، نزولِ شریعت اور صاحب شریعت کی سیرت کی عینی شہادت و فقاہت، نزولِ وحی میں ان کی آراء میں الٰہی موافقت، اذیت و بغض صحابہ رضی اللہ عنہم کی ممانعت، تمام اُمت پر ان کی واجب الاتباع قیادت اور وعدۂ استخلاف کی حاملیّت و کاملیت وہ امتیازات ہیں جن تک نہ کوئی پہنچا ہے اور نہ ہی کوئی پہنچ پائے گا۔ اس لئے کہ ہر

صحابی رسول، سماء نبوت ﷺ کا حسین ستارہ اور دائمی ہدایت ہے۔ زیر تبصرہ تالیف فقہ اسلامی اور مباحث قانونی کا سہل پیرائے میں ایسا حسین شہ پارہ ہے جو قارئین کے ذوقِ مطالعہ اور تحقیقی دلچسپی کا باعث ہے۔ تاہم حیاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے وہ پہلو جو عہد حاضر کے تقاضوں کے پیش منظر میں ابھی تشنہ تحقیق ہیں۔ انہیں بھی منظر عام پر لایا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ عہد خلافت راشدہ کی تمام نورانیت ضوفشاں ہوگی تو امن عالم کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے گا۔ تمام کتب خانوں کی ناگزیر ضرورت اور قانون دان طبقہ کے لیے ایک حوالہ جاتی کتاب کی حیثیت کی حامل ہے۔

3 علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

کی زندگی کا رُوحانی پہلو

مؤلف: الحاج ظہور الحسن قادری

ناشر: نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور

زیر تبصرہ تالیف حکیم الامت علامہ اقبال کی زندگی کے باطنی و روحانی گوشوں پر مشتمل ایسی ترتیب و تدوین جو اقبال شناس محققین کی تصانیف سے ماخوذ، اقبالیات کے حلقہ احباب کی قلبی تسکین کا باعث اور مرتب کی قابل تحسین کاوش ہے۔ مضامین و مقالات کا یہ مجموعہ حیاتِ علامہ اقبال کے روحانی پہلوؤں سے ہی مزین ہے جیسا کہ فہرست مضامین کے درج ذیل عناوین سے ظاہر ہے۔ حدیث دل- اقبال کا دنیا میں آمد سے قبل والد گرامی کا خواب- شیخ نور محمد والد گرامی علامہ اقبال کا روحانی مرتبہ و مقام- اقبال کے پاس مردان غیب کی آمد کے واقعات- علامہ اقبال اور خاصانِ خدا- علامہ اقبال عصر حاضر کے قلندر- دربارِ رسالت مآب ﷺ میں علامہ اقبال کا مقام و مرتبہ- مقامِ مصطفیٰ ﷺ اور اقبال- اقبال اور تصور عشق- علامہ اقبال، مجدد عصر- علامہ اقبال اور مقامات روحانی- حال اور مقام- حضرت علامہ اقبال اور فضیلت شب بیداری- علامہ اقبال بحیثیت مبشر پاکستان- مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ- اور علامہ محمد اقبال مفکر فردا۔ علامہ اقبال گو مرد قلندر تو تھے ہی مگر ان کی تجدیدی مساعی اور انقلاب آفرین تعلیمات ہی تو آج اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے مشعل راہ ہیں۔ جیسا کہ ''در اسرار قرآں سفتہ ام'' یا ''مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ'' جیسے پیغام امت کی بیداری کے لیے اکسیر درجہ کے حامل ہیں۔ ذخیرۂ اقبالیات میں یہ ایک

نادر اضافہ، دلدادگان تصوف لیے نشانِ منزل اور کتب خانوں کی زینت بھی ہے۔

4 پاکستانی معاشرے میں

مطلقہ خواتین کے سماجی وقانونی مسائل

(شرعی تناظر میں تجزیاتی مطالعہ)

مصنف: ڈاکٹر سیّدہ سعدیہ

مطبع: ایس شوکت نور پرنٹنگ پریس، لاہور

زیر تبصرہ تصنیف دراصل چھ ابواب اور 347 صفحات پر مشتمل ایک تحقیقی مقالہ ہے جسے جامعہ پنجاب میں ڈاکٹریٹ کے لیے پیش کیا گیا۔ اگرچہ مرکزی موضوع اسبابِ طلاق اور مابعد الطّلاق پیدا ہونے والے مطلقہ خواتین کے وہ سماجی مسائل ہیں جو خاندانوں میں ناقابل فراموش سانحات کو جنم دیتے ہیں۔ خصوصاً بچوں کی تعلیم و تربیت، عزیز و اقارب کی سرد مہری معاشرہ میں منفی رویے اور قانونی مسائل تو معاشرہ کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں اور پورا معاشرہ وبائی امراض کی طرح اس کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ دلوں میں نفرت و بے رحمی جنم لیتی ہے۔ گویا طلاق ایک المناک چیز ہے جسے پرسکون معاشروں پر برق و رعد بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسی لیے اسے ابغض الحلال کہا گیا ہے

ترک تعلقات پہ رویا نہ تو نہ میں لیکن یہ کیا کہ چین سے سویا نہ تو نہ میں

تاہم استاذۃ الاساتذہ کے 'حرفِ سخن' کا یہ سخن ''طلاق و خلع یعنی خاندانی نظام کو درہم برہم کرنے والے شیطانی ہتھیار کے روز افزوں اعداد و شمار'' بھی قابل تصریف ہے کیونکہ طلاق و خلع ایسے سہولت کار بھی تو فطرت کا تقاضا ہیں۔

تعلق بوجھ بن جائے تو اس کا توڑنا بہتر محبت روگ بن جائے تو اس کا چھوڑنا اچھا

کیونکہ کسی حادثاتی بنیادوں پر متضاد اور انحرافی رویوں کی حامل شخصیات کے ملاپ کا ٹوٹ جانا ناگزیر ہوا کرتا ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ عصر حاضر کے مسلم معاشروں میں طلاق و خلع کے اثراتِ بد کا شکار زیادہ تر خواتین ہوتی ہیں۔ لیکن اگر خاندانی اصلاح کی تحاریک معاشرہ میں اپنا کردار ادا کریں تو کسی حد تک یہ مسائل کم ہو سکتے ہیں جیسا کہ برعظیم میں تحریک نکاحِ بیوگان دُور رَس نتائج

کی حامل تحریک تھی، جس کی نظیر پورے عالم میں نہیں ملتی۔ یہ کتاب ایک تحقیقی تصنیف ہونے کے ناطے تمام تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کے لیے ناگزیر ضرورت اور اصلاحی وسماجی اداروں کے لیے ایک رہنما کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسلام کے غلبے کا استدلالی پہلو

مؤلف: مولانا غلام اللہ خان حقانی

شعبہ نشر واشاعت: دار العلم والحکمۃ ،ضلع دیر پائین

زیرِتبصرہ کتاب غلبہ اسلام کے عقلی واستدلالی پہلوؤں پر ایک حسین اور جدید ایسی تحریر ہے جس میں اُن تمام شکوک وشبہات کا جو مذہب اور خصوصاً نفاذِ اسلام کے بارے میں کیے جاتے ہیں، مدلل انداز میں ازالہ کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام میں بہ تمام وکمال صلاحیت موجود ہے جو ہر اعتبار سے جدید دور کے مسائل سے نبرد آزما ہوسکتا ہے اور دنیا کو موجودہ اخلاقی و روحانی بحران سے نکالنے کی راہوں کو ہموار کرسکتا ہے۔آج دنیا کے تمام ممالک میں عملی اعتبار سے جو نظامِ زندگی رائج ہے اسے سیکولرزم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مذہبی عقائد وتعلیمات وعبادات صرف عبادت گاہوں تک محدود ہیں اور ہماری عملی زندگی میں مذہب کا عمل دخل بہت قلیل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذہب اور خصوصی طور پر اسلام ممدوح جذبات یعنی ایثار ووفا، دیانت وسخا اور صدق وصفا جیسے اعلیٰ مقاصد کو سفلی جذبات کے مقابلے میں انسانی معاشرہ میں ترویج کا درس دیتا ہے اس لیے کہ وہ الٰہی ہدایت واحکام کا سرچشمہ ہے جس میں فلاحِ انسان اور امن عالم کی بھرپور ضمانت ہے۔بقول اقبال:

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کردے کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

اسلامی تحریکوں میں کارکنان کے لیے ایک مفید کتاب اور کتب خانوں کی ضرورت ہے۔

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی مطبوعات پر

پر

اہل علم کے تاثرات

اُمت مسلمہ کی تشکیل نو میں اہل قلم کا کردار

محمد فہیم، تیمر گرہ، ضلع دیر پائین

اُمتِ مسلمہ کے انحطاط اور زوال کے باوجود اس کی نشأۃ ثانیہ کے عظیم مقصد کی خاطر دینی، علمی، تصنیفی، تحقیقی، تحریکی اور سیاسی حوالوں سے کوششیں ہر زمانہ میں ہوتی رہی ہیں۔ اگر ایک طرف الحاد اور بے دینی کا یلغار ہے تو دوسری جانب سے مدافعتی جدوجہد بھی کسی نہ کسی درجہ میں جاری وساری رہی ہے۔ بدقسمتی سے امت بحیثیت مجموعی متحد نہیں اور عدم خوشناسی کا شکار ہے۔ اسے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت نسلی، جغرافیائی، لسانی، مذہبی، علاقائی اور مسلکی بنیادوں پر تقسیم در تقسیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ امت اب قومی حکومتوں کی شکل میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اپنی اجتماعی تشخص کھو چکی ہے۔ لہٰذا وہ سیاسی افراتفری، معاشی بدحالی اور معاشرتی شکست وریخت کے نتیجے میں بحیثیت امت اپنی مدافعت کی صلاحیت سے بھی محروم ہو کر غیر مسلم قوتوں کیلئے آسان شکار بن چکی ہے۔ فکری انتشار اور اخلاقی زوال نے اسے اپنی حقیقت سے ناآشنا کر دیا ہے۔ اسی صورت حال کو علامہ اقبالؒ نے جس گہرائی کے ساتھ سمجھ کر اس کی اصلاح اور از سرنو تعمیر کے لیے اُمت مسلمہ اور خصوصاً نوجوان نسل کو اپنے پیغام کے ذریعے بیدار کرنے کی کوشش کی ہے، وہ وہی آفاقی پیغام ہے جسے انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آخری اور لازوال کتاب سے اخذ کر کے اپنے اشعار کے ذریعے اُمت مسلمہ کے سامنے رکھا ہے۔ زمانہ حال کے معروف دانشوروں اور اہل قلم کے درمیان

جناب انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، انھوں نے اُمت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے عظیم کام میں اپنا حصہ اپنے ماہنامہ جریدے حکمت بالغہ کے ذریعے سے ڈالنے کا عمل نہایت انہماک اور عرق ریزی کے ساتھ شروع کر رکھا ہے۔ انھوں نے اپنے رسالے کے مختلف ایڈیشنوں اور عام اشاعتوں کے ذریعے مختلف موضوعات پر نہایت پُر مغز مقالات لکھ کر اُمت کے اہلِ فکر کو دعوتِ عمل دینے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ان کے پیغام میں علامہ اقبالؒ کی شاعری کو ایک بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ ان کا تازہ کتابچہ ''امت مسلمہ کے مستقبل کی تشکیل نو میں اہل قلم کا کردار'' کے عنوان سے ان کا تازہ کتابچہ شائع ہو چکا ہے۔ 'بہ قامت کہتر و بہ قیمت بہتر' یہ رسالہ اہل قلم و دانش کے لیے دعوتِ عمل کے چند معروضات پر مشتمل ہے۔ سرورق کے اندرونی طرف بابائے قوم کے نئی دہلی میں 26 نومبر 1946ء کے انٹرویو کا دو جملوں پر مشتمل ایک حصہ ہے جو سیکولر دانشوروں کے لیے ان کے گمراہ کن پروپیگنڈا کے اِبطال کے لیے ایک سند کی شکل میں مسکت جواب ہے۔ رسالہ کی ''تقدیم'' کے طور پر لکھی گئی سطور میں ملت اسلامیہ کی زبوں حالی کی موجودہ صورت حال کے حوالہ سے اہم ترین سوالات سامنے لائے گئے ہیں جن کی روشنی میں امت کے لیے ایک واضح لائحۂ عمل کی نشاندہی اہل قلم کے لیے ترجیح اوّل ہونی چاہیے۔

مغربی دانشوروں کی اباحیت پسند اس فوج ظفر موج جو عالمگیریت کے علمبردار ہیں، کے اثراتِ بد سے دنیا کا کوئی حصہ محفوظ نہیں۔ کیوں کہ ذرائع ابلاغ کا بڑا حصہ انہی کی گرفت میں ہے۔ اس اِلحادی فکر نے زمانہ حال کے انسان کو صرف ''مادیت'' کے گرداب میں پھنسا کر روح کی حقیقت سے ناآشنا کر دیا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف امت مسلمہ کے اہل علم و قلم کی توجہ مبذول کرادی گئی ہے۔ دنیا میں گذشتہ دو صد سالہ سیکولر فکر کو فاروقی صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماقبل 600 سال اور مابعد 6 صدیوں کے زمانہ کو آج کے فلسفہ حیات کے آفرینش کا زمانہ قرار دیا ہے اور اس سوچ کے نتیجے میں پیدا شدہ جدید مغربی فلسفہ (ڈارونزم، فرائیڈزم وغیرہ) انسان کو ایک معاشرتی حیوان سے زیادہ مقام دینے کو تیار نہیں۔ یہی سیکولر سوچ ہے جس نے مسلمانوں کے سیکولر طبقات کے اندر نفوذ کیا ہے۔

کتابچے میں عقلیت پسندی (Rationalism) کی بنیاد پر وجود پذیر ہونے والے

فلسفیانہ نظریات اور مذاہب بمقابلہ الہامی مذاہب پر مختصر بات کی گئی ہے۔تہذیب مغرب سے متعلق ذیلی بحث میں چند فلاسفر کے دلکش نظریات کے ساتھ ان کی اکثریت کے کردار کو عام انسانیت کی سطح سے گرا ہوا بیان کیا گیا ہے۔عام قاری پورے پس منظر کی تفصیلات میں جائے بغیر اس بیانیہ کو سمجھنے میں دقت محسوس کرتا ہے۔اگر اس کی تفصیل دی جاتی تو بہتر ہوتا!

صفحہ 18 پر جس اہم حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے وہ آنے والا دورِ مسعود ہے جس کی پیش گوئی حضور نبی اکرم ﷺ کی متعدد احادیث میں موجود ہے۔اسی کی طرف محترم فاروقی صاحب نے اہل قلم کو مزید لکھنے اور واضح کرنے کی دعوت دی ہے۔

صفحہ 19 پر دو سُپر طاقتوں یو ایس ایس آر اور برطانیہ عظیم کے ختم ہونے کے بعد موجودہ فرعون امریکہ کے بھی خاتمہ کی نوید دی ہے۔اس کے یقیناً آثار شروع ہو چکے ہیں کیونکہ وہ افغانستان میں اپنی لاحاصل جارحیت 15 سال تک جاری رہنے کے بعد اب تک ان بے سہارا طالبان کو زیر نہ کر سکا۔وہ اس دلدل میں پھنسنے کے بعد نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔فاروقی صاحب نے امریکی قبضہ سے پاکستان کی آزادی کی نوید سنائی ہے۔اللہ کرے کہ پاکستانی حکمران، عام مسلمانوں اور خصوصاً سیاسی زعماء پاکستان اور اس کے بنیادی نظریہ پر پختہ ایمان ہو کر اپنے مفادات پر ملکی مفادات کو ترجیح دیں۔اہل قلم کو اسی اہم موضوع پر اور خصوصی طور پر نظریہ پاکستان کو اجاگر کرنے کے لیے نہایت حکیمانہ طریقہ سے متوجہ کیا گیا ہے۔رسالہ بار بار دیکھنے کے قابل ہے اور اس کا اصل پیغام سمجھنا اور اس کے مطابق قلم اٹھانا بہت اہم فریضہ ہے۔اللہ تعالیٰ محترم فاروقی صاحب کے علم و قلم میں مزید برکات عطا فرمائے۔آمین

علامہ ظہور الحسن قادری، کمالیہ

جناب انجینئر مختار فاروقی مدیرِ مسئول ماہنامہ ’حکمت بالغہ‘ کی جانب سے ایک فکر انگیز بروشر بعنوان: ’’اُمت مسلمہ کے مستقبل کی تشکیل نو میں اہل قلم کا رول‘‘ موصول ہوا۔جس میں انہوں نے بڑی دردمندی کے ساتھ امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے بارے میں بہت سے سوالات اٹھائے ہیں۔ہر سوال پر بہت کچھ تحریر کیا جا سکتا ہے۔پہلا سوال ہی کتنا اہم ہے کہ افرادی قوت، مالی وسائل اور فنی مہارت کے باوجود اُمت مسلمہ انحطاط کا شکار اور زوال پذیر کیوں ہے؟ دیگر

سوالات میں: وہ کون سے عوامل ہیں جو امت مسلمہ کے تشخص کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں؟ کیا ملت اسلامیہ کی پھر سے شیرازہ بندی ممکن ہے؟ کیا ملت اسلامیہ کی وحدت کے خواب کو حقیقت میں بدلا جاسکتا ہے؟۔مندرجہ بالا چند سوالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ ان پر غور وفکر کیا جائے۔

یہ دنیا ممکنات کی دنیا ہے۔سوال صرف یہ ہے کہ کیا مرض کی محض نشان دہی یا اس کی مذمت اور تنقید سے مرض ختم ہوسکتا ہے۔مرض کی تو صحیح تشخیص اور ضروری دوادارو سے ختم ہوتا ہے۔ پھر بھی شفا نہ ہو تو دیرپا شفایابی کے لیے اپریشن کرنے سے مرض کا جڑ سے اکھاڑنا لازم ہے۔ناچیز اپنی عملی بساط کے مطابق، کیا ملت اسلامیہ کی وحدت کے خواب کو حقیقت میں بدلا جاسکتا ہے؟، پر چند گذارشات پیش کرتا ہے۔دوصدیاں قبل پوری دنیا پر برطانوی سامراج کا راج قائم تھا۔ یہ تسلط انہوں نے مختلف سیاسی حربوں، سازشوں اور مسلم بادشاہوں کو زیروزبر کرکے حاصل کیا تھا۔ تمام سازشوں میں سب سے بڑی خوفناک سازش مسلمانوں کو مذہبی طور پر فرقہ واریت اور انتہا پسندی میں مبتلا کرنا تھا۔جب پورے برصغیر پر قبضہ کرلیا تو اس قبضہ کو دائمی طور پر قائم ومضبوط رکھنے کے لیے انہوں نے بہت سے علماء کو مالی نوازشات سے فیض یاب کیا۔

کسی کو کسی علاقے میں اسلامی ریاست قائم کرنے کے لیے جہاد کی ترغیب دی۔کسی کو دینی مدارس قائم کرنے کے لیے بھرپور مالی تعاون کیا۔..................

اسی کے ساتھ عالمی سطح پر مسلمانوں کی متحدہ قوت کی علامت خلافت اسلامیہ کے خاتمہ کے لیے عربوں کے اندر باغی پیدا کیے اور ایک جعلی مسلم نما برطانوی جاسوس جسے لارنس آف عریبیہ نام دیا گیا، تیار کیا جس نے عربوں کے اندر ترکوں کے خلاف عرب نیشنل ازم کا نعرہ بلند کرکے خونی جنگیں شروع کروادیں اور بالآخر 1924ء میں سے ختم کرواکے دم لیا اور آج تک پھر عالمی سطح پر مسلمان دوبارہ متحد نہ ہوسکے۔............

لہٰذا وقت کی اہم ضرورت ہے کہ اہل فکر ودانش اوّلین ترجیح کے طور پر اس فتنۂ عظیمہ کی سرکوبی کے لیے کمر بستہ ہوں۔تاکہ عالمی سطح پر ملت اسلامیہ کی وحدت کے خواب کو حقیقت میں بدلا جاسکے اور اُمت مسلمہ ہر سطح پر اسلام دشمن طاغوتی طاقتوں کی سازشوں کا تدارک کرنے کے قابل ہوسکے اور اپنی متحدہ قوت سے ایک بار پھر مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہوجائے۔

حافظ مختار احمد گوندل

زیر تبصرہ کتابچہ دراصل اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی وہ بانگ رحیل ہے جو درحقیقت لادینی فکری یلغار کے ردّعمل میں جنم لیتی ہے۔ جب مغربی تحریک تنویر، دیگر عقلیت پسند تحریکوں خصوصاً مذہب وسائنس کے مابین تصادم کی صورت میں الحاد کے راستے مغرب میں ہموار ہو گئے۔ تو سید جمال الدین افغانی، حکیم الامت علامہ اقبال جیسے مفکرین نے اپنے کلام اور تحریروں میں احیاء امت مسلمہ اور اسلام کے دوبارہ پوری دنیا پر غلبہ کی جہد مسلسل کے لازوال فکری نقوش ثبت کئے۔

می نگنجد آنکہ گفت اللہ ھو　　　در حدود ایں نظام چار سو

اقبالیات کے انہی شاہینوں کی ایسی صدائے قلندرانہ کا عکاس یہ کتابچہ قلم وقرطاس کے شاہواروں کے لئے پابہ رکاب ہونے کا درس ہے۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

میڈیا کے اس دور میں وہی اقوام سربلند ہوں گی جو ذرائع ابلاغ ایسے انقلاب آفرین آلات سے لیس ہوں گی۔ شاید ایٹمی قوتیں اب منزلوں سے کافی دور ہوں مگر علمی وابلاغی قوتوں کی حامل اقوام کے ہاتھ میں ملتوں کے مقدر کی تحریریں لکھی جا چکی ہوں۔ جیسا کہ صاحب تصنیف کا پیغام ہے: ''جس اہل قلم کو حضرت محمد ﷺ سے تعلق خاطر یاد ہو وہ ضرور اس پیغام کو اپنے لیے فی الواقع ایک 'پیغام' سمجھے اور اس کو عملی شکل دینے میں لگ جائے۔''

اگرچہ تحریری آثار کتب خانوں کی زینت ہی بنتے ہیں لیکن زندہ دلانِ قلم وقرطاس کے لیے یہ ایک ایسا پیغام ہے جو ہر صاحب قلم کا راہنما منشور ہونا چاہیے۔

پروفیسر خلیل الرحمٰن، ٹوبہ ٹیک سنگھ

''فکر اقبال کی روشنی میں، اُمت مسلمہ کے مستقبل کی تشکیل نو میں اہل قلم کا رول'' پیش نظر ہے، ماہنامہ حکمت بالغہ کی از آغاز تا حال باقاعدگی سے اشاعت۔ اس کے خصوصی نمبر اور اس وقت یہ تحریری کاوش آپ کی ہمہ وقت دینی مصروفیات اور اُمت مسلمہ کی رہنمائی اور خیر خواہی کا ثبوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازے اور آپ کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔

ناچیز کو آپ نے حکمت بالغہ کی مجلس مشاورت میں رکھا لیکن میں اپنی کم علمی کے باعث آپ کی توقعات پر پورا نہ اُتر سکا۔

مذکورہ بالا کتابچے میں مسلمانوں کی موجودہ افسوسناک صورت حال، ان کی زبوں حالی کی طرف آپ نے توجہ دلی ہے۔مزید برآں زیادہ تکلیف دہ کیفیت یہ کہ بحیثیت مجموعی احساس زیاں بھی نہیں۔مسلمان ممالک غیروں کے دست نگر، باہم انتشار کا شکار جبکہ کفر اسلام کے مقابلے میں ملت واحدہ۔مسلمانوں کے پاس وحدت کی بنیادیں موجود خدا ایک، رسول ایک، کتاب ایک مگر ہم مسلمانوں نے ان بنیادوں کو نظرانداز کیا اور اس صورت حال سے دوچار ہوئے۔

قرآن، حدیث کی روشنی میں دیکھیں تو صاف نظر آتا ہے کہ خالق کائنات رب العالمین کو کافر پسند نہیں آ گئے بلکہ ہمارے جرائم اتنے ہیں کہ مسبّب الاسباب ہستی کی سنت کے مطابق ہم اس کے عذاب کی زد میں آ گئے۔عذاب کی بھی وہ شکل کہ ہم باہمی اختلافات کا شکار ہو کر ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے اُمتی ہونے کے حیثیت سے ہماری توقعات ہیں کہ ہم مسلمان تو اللہ کی خصوصی رحمت کے مستحق ہیں۔لیکن صورت حال اس کے برعکس ہے۔آپ نے بجا فرمایا کہ ہماری تعداد ڈیڑھ ارب سے زائد، اللہ کی نعمتوں سے ہم مالا مال، مسلم ممالک میں ملک پاکستان کی خصوصی اہمیت، معجزانہ طور پر آزادی کی نعمت ملی لیکن ہم نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کو روش اختیار کی۔النحل 112 کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بھوک اور خوف کی سزا دی۔ملک پاکستان میں نفاذ اسلام کے وعدہ کی خلاف ورزی کی تو اللہ کی سنت (التوبہ 75 تا 77) کے تحت ہم مرضِ نفاق میں مبتلا ہو گئے۔فحاشی، بے حیائی کو فروغ دیا سورۃ النور آیت 19 کے ضابطہ کے تحت ہم دنیا و آخرت میں عذاب الیم کے مستحق ہو گئے۔نہی عن المنکر سے کوتاہی کا جرم ہم نے کیا دنیا میں کثیر تعداد کے باوجود ہمارا کوئی رعب اور دبدبہ نہیں۔رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق ہم آخرت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں پیشی کے خوف سے آزاد ہو کر حب دنیا میں گرفتار ہوئے۔اللہ تعالیٰ کی حاکمیّت کو نظر انداز کر کے بغاوت کا انداز اختیار کیا۔معیشت سود پر مبنی۔اس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کے خلاف حالت جنگ میں آ گئے۔ان حالات میں کیا ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق

ہیں؟ یا عذاب کے؟ مایوسی کے ان اندھیروں سے نکلنے کے لیے اور اُمت مسلمہ کے روشن مستقبل کے لیے آپ نے اہل قلم کے رول کی طرف متوجہ کیا ہے۔ آپ ﷺ کی پیش گویوں کے مطابق اب وہ دور قریب ہے۔ اہل قلم کی اہمیت یقیناً مسلم ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ذرائع ابلاغ اور الیکٹرونک میڈیا پر کنٹرول حاصل کرنا اور اس کے لیے بھرپور وسائل مہیا کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ آج انفرادی اصلاح کے لیے فکر اقبال کو عام کرنے کی ضرورت ہے اور فکر اقبال کی بنیاد قرآن ہے اسی قرآنی فکر کو مسلمانوں کے دلوں میں راسخ کرکے قلبی ایمان بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ تب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ غلبہ اسلام ایک عالمی غلبہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم مقصد کے لیے بھرپور انداز میں اپنی صلاحیتیں لگانے کی توفیق بخشے، آمین۔

'حکمت بالغہ' کا خصوصی شمارہ (نومبر 2017ء)

بادشاہ، پرنس اور ارب پتی یا درویش حکمران

مولانا غلام اللہ حقانی، گل آباد
0345-9188361

مدیر مسئول حکمت بالغہ مختار حسین فاروقی قرآن اکیڈمی جھنگ کے مؤسس اہل علم بھی ہیں اور اہل قلم بھی، درس و تدریس، ابلاغ و تبلیغ اور تعلیم و تعلّم کے پیشے سے وابستہ افراد اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اہل علم اور اہل قلم ہونا اللہ کی کتنی بڑی نعمت اور دَین ہے، لیکن اس نعمت کی اہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ودیعت شدہ صلاحیت کے موافق اس نعمت کا استعمال بحسن وخوبی ہوتا رہے اور بارگاہِ ربّ العزت میں شرف بازیابی بھی پاتا رہے۔ اس خاص پس منظر میں یہ معاملہ دوسرے بہت سارے خوش نصیبوں کی طرح مختار حسین فاروقی صاحب کا ہوا ہے چنانچہ اس کے علم کا مظہر اگر قرآن اکیڈمی جھنگ ہے تو جس سے ایک وسیع حلقہ تشنگانِ علم فیضیاب ہوتا ہے تو اس کے قلم کا شاہکار قرآن اکیڈمی سے شائع ہونے والا ''ماہنامہ حکمت بالغہ'' ہے۔ جو قرآن حکیم کے اعلیٰ علمی سطح پر شعور و آگہی کی کرنیں بکھیر رہا ہے۔

حکمت بالغہ پچھلے دس سالوں سے تسلسل کے ساتھ موصول ہو رہا ہے۔ میں بھی تسلسل

کے ساتھ اس کا مطالعہ کررہا ہوں اپنے اچھوتے مضامین، بے لاگ تبصروں، وقت کے اعلیٰ علمی لیول پر اسلام کے حرکی نظریات اور قرآن حکیم کے حکمت بھرے مضامین کا ترجمان یہ ماہنامہ ہر اعتبار سے جامع اور مکمل جریدہ ہے۔

بالخصوص 'حکمت بالغہ' کے وہ شمارے جو خصوصی نمبر یا خصوصی اشاعت کے نام پر چھپتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا نوعیت کے یہ خصوصی شمارے علم وفن کا ایک بحر بیکراں ہوتا ہے۔ جس میں ایک ہی موضوع پر قرآن و حدیث، تاریخ، تہذیب و تمدن، آرٹ اور فنونِ لطیفہ کے علمی خزانوں سے ایسا عمدہ اور بہتر مواد اکٹھا کر کے پیش کیا جاتا ہے جو ایک طرف اس موضوع کی قد کاٹھ اور اہمیت کا باعث بنتا ہے اور دوسری طرف قاری کو اس خاص موضوع پر دوسرے مآخذات سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں 'قرآن اکیڈمی، جھنگ' کی طرف سے 'حکمت بالغہ' میں جن خصوصی موضوعات پر علمی کام ہوا ہے اور جو بعد میں خصوصی نمبر کی حیثیت سے چھپ کر سامنے آئے ہیں۔ انہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

1۔ حقیقت انسان نمبر — 2۔ حقیقت علم نمبر
3۔ احیاء العلوم نمبر — 4۔ دو قومی نظریہ اور پاکستان کا نظریاتی نظام تعلیم نمبر
5۔ حقوق نسواں نمبر — 6۔ یاجوج ماجوج
7۔ الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ﷺ — 8۔ جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش
9۔ حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے — 10۔ بادشاہ، پرنس، ارب پتی یا درویش حکمران

مؤخر الذکر موضوع پر حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت بابت نومبر 2017ء کا شمارہ پچھلے ہفتہ موصول ہوا، اب تک میں اس کے اکثر ابواب کا جو مذکورہ موضوع پر بڑی عرق ریزی سے اور محنت سے مُعَنْوَن کیے گئے ہیں، کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ ان ابواب میں جس دلنشین اور خوبصورت انداز میں اس اہم موضوع کا احصاء کیا گیا ہے۔ وہ عصری جرائد و رسائل میں حکمت بالغہ کے امتیازی شان کا آئینہ دار ہے۔ دس ابواب پر مشتمل اشاعت خصوصی کا ہر باب عنوان (بادشاہ، پرنس، ارب پتی یا درویش حکمران) کے ایک پہلو پر ایک پر مغز اور معلومات افزا لیکچر ہے۔

پہلا باب حرفِ آرزو اور تمہید پر مشتمل ہے۔ جو مقدمہ الکتاب کا درجہ رکھتا ہے جس کے

ذیل میں موضوع کی اہمیت، ضرورت اور غرض و غایہ کو واضح کیا گیا ہے۔ چنانچہ حرفِ آرزو میں سرورق پر درج ''عنوان'' کی وضاحت کچھ یوں کی گئی ہے۔ ''شہنشاہ، پرنس اور ارب پتی یا درویش حکمران۔ انسان کے تحت الشعور میں آرزو کیا ہے؟''

تمہید کے ذیل میں اس بات کی بھی توضیح کی گئی ہے کہ شہنشاہ، پرنس اور ارب پتی کی طرزِ حکمرانی ظلم و جبر، ناانصافی اور طبقاتی اونچ نیچ کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جس میں عوام الناس ان کے بنیادی حقوق سے محروم اور احساس محرومی کا شکار بنے رہتے ہیں۔ لہٰذا اس کے بارے میں عوام کی رائے مثبت نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے بارے میں تو انسان کے تحت الشعور میں یہ آرزو چھپی رہتی ہے کہ کب اس نظام بد سے انہیں چھٹکارا حاصل ہوگا۔ اس کے مقابلے میں ایک درویش حکمران کے قلمرو میں عدل و انصاف، انسان دوستی، اخلاق دوستی اور امن و آشتی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ کوئی مظلوم نہیں ہوتا، کوئی مقہور نہیں ہوتا۔ لہٰذا عوام الناس ایسے نظام کو دل و دماغ سے قبول بھی کر لیتے ہیں اور ان کی دلی آرزو و تمنا یہی ہوتی ہے کہ ایسا نظام تادیر قائم رہے اور اگر انہیں اپنی رائے استعمال کرنے کا موقع ملے تو وہ اپنی رائے اس نظام کے حق میں دیں گے۔

حکمرانی کے یہ دونوں نوعیں آج تاریخ کے اوراق میں ہمارے پاس موجود ہیں جسے اس خصوصی اشاعت کے پہلے باب میں حرف آرزو اور تمہید کے ذیل میں فاضل مدیر نے پہلے اجمالاً اور اگلے نو ابواب میں مدلل اور مرتب کر کے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ یہ بات کہ بادشاہتوں میں ریاست کے وسائل کا بے دریغ غلط استعمال اور عوام کا بھونڈے انداز سے استحصال ہوتا رہتا ہے کوئی اٹکل کے تیر نہیں اور نہ علم نجوم کے زائچہ سے اخذ شدہ من گھڑت معلومات۔ بلکہ آج بھی یہی بات ایک ثابت شدہ حقیقت کے طور پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ چنانچہ دلیل کے طور پر حرف آرزو میں، اپنے آپ کو جمہوریت کا چمپئن اور دنیا کے سب سے بڑے مثالی تہذیب و تمدن کا دعویدار ''امریکہ'' کے وسائل اور آبادی کے اعداد و شمار کا ایک سروے شدہ خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ جس سے امریکہ کا حقیقی چہرہ بے نقاب کیا گیا ہے۔ جہاں ملکی آبادی کا بیس فیصد (20%) لوگ ملکی وسائل اور دولت کے 93 فیصد حصے پر قابض ہیں۔ جبکہ 80 فیصد آبادی کے مقدر میں ملکی وسائل کا صرف 7 فیصد حصہ ہے اور یہی حال مغربی دنیا کا بھی ہے۔

اس کے مقابلے میں درویش حکمران کے قلمرو میں عدل و انصاف، راست بازی، امانتداری اورمخلوق خدا کی وسائل میں پوری طرح حصہ داری بھی انسانی تاریخ کا حصہ رہا ہے۔ چنانچہ ایک درویش صفت انسان کی تین نمایاں اوصاف بتائے گئے ہیں: (1) مال و اسباب کی بجائے اللہ کی ذات پر بھروسہ۔(2) دنیاوی راحت کی بجائے آخرت کے اجر کی امیداور(3) دنیا میں جاہ طلبی سے اجتناب۔ان تینوں باتوں کا تعلق دل سے ہے نہ کہ ظاہر سے۔

اشاعت خصوصی کے اگلے نو اَبواب میں حکمرانی کی مذکورہ شکلوں کو بڑے دلنشین انداز میں مرتب اور مدلل کر کے بیان کیا گیا ہے جس کے ذیلی عنوانات کو اگر ہم نام دینا چاہیں تو یہ ہو سکتے ہیں: نظریاتی ٹکراؤ، عمرانی ارتقاء، ظلم کی داستانِ خونچکاں، آسمانی پیغامات و ہدایت، خلافت ارضی اَز آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام، بادشاہتوں کے قیام اور استحکام میں رومی، یونانی اور بنی اسرائیل کا کردار، درویش حکمرانوں کی مثالی حکمرانی کے نمایاں نشاناتِ راہ۔ گویا کہ یہ خصوصی اشاعت پوری انسانی تاریخ اور اس میں رُونما ہونے والی طرزِ حکمرانی کا وہ حسین و جمیل مرقع ہے۔جس میں طرزِ حکمرانی کے جملہ پہلوؤں کو یکجا کر کے پیش کیا گیا ہے اور اس مشکل کام کو بطریقۂ احسن ادا کرنے کا کریڈٹ فاضل مدیر مسئول اور اس کی ٹیم کو جاتا ہے۔جن کی شبانہ روز محنتوں سے ممکن ہوا کہ حکمت بالغہ کا یہ قیمتی خصوصی رسالہ اپنے ہزاروں پڑھنے والوں کی علمی پیاس بجھا سکے۔اللہ سے دعا ہے کہ فاضل مدیر اور اس کی ٹیم کو مزید توفیق بخشے، صحت اور مواقع دے تا کہ وہ اس فائدہ منداور دُوررَس اثرات کے حامل کام کو بطریقہ احسن ادا کرتے رہیں، آمین۔

تحریکِ آزادی اور تحریکِ ختم نبوت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کردار

عظیم الشان امیر شریعت کانفرنس

بتاریخ	9 مارچ، جمعہ المبارک، بعد نمازِ مغرب	بمقام	ایوانِ اقبال، ایجرٹن روڈ لاہور

کانفرنس سے سیاسی جماعتوں کے راہنما، ممتاز علماء کرام، مشائخ عظام، دینی جماعتوں کے قائدین، دانشور اور زعمائے ملت خطاب فرمائیں گے

الداعی الی الخیر مجلس احرارِ اسلام پاکستان 042-35912644

قرآن اکیڈمی جھنگ

کے زیر اہتمام ایک کتابچہ

فکر اقبال کی روشنی میں

اُمت مسلمہ کے مستقبل کی تشکیل نو

میں اہل قلم کا رول

پرنٹ ہو کر ملک کے اصحابِ علم وفضل اور اہل علم و اہل قلم

حضرات تک پہنچایا گیا ہے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے

ان شاء اللہ

22 اپریل 2018ء بروز اتوار، بوقت 10:30 بجے دن

قرآن آڈیٹوریم جھنگ

میں اس موضوع پر اہم سیمینار منعقد کیا جائے گا

جس میں ملک بھر سے اہل علم اور اہل قلم شرکت کریں گے

جن حضرات کو یہ کتابچہ برائے تبصرہ ارسال کیا گیا ہے ان سے گزارش ہے کہ وہ اپنے تبصرے جلد ارسال فرما دیں۔ ان حضرات کے تبصرے موصول ہو گئے تو وہ سیمینار میں پڑھ کر سنائے جا سکیں گے۔

انجینئر مختار فاروقی قرآن اکیڈمی جھنگ

فرمودۂ اقبال

گدائی

(رشوت خوری اور سرکاری فنڈز کی خورد بُرد)

میکدے میں ایک دن اک رِند زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا!
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اُسے؟
کس کی عریانی نے بخشی ہے اسے زرّیں قبا؟
اس کے آبِ لالہ گوں کی خونِ دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے؟ مردِ غریب و بے نوا!
مانگنے والا گدا ہے! صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے، میر و سلطاں سب گدا!

(ماخوذ از انوری)

الحمدللہ

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی مطبوعات

1	خیریت تعلّم وتعلیم قرآن مجیداور ہماری ذمہ داریاں	Rs.16
2	جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے سوسال (1910ء۔2010ء)	Rs.300
3	یاجوج ماجوج؟	Rs.220
4	21اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ اوّل)	Rs.120
5	21اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ دوم)	Rs.130
6	21اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ سوم)	Rs.120
7	21اسلامی انقلابی شخصیات (مکمل)	Rs.380
8	صہیونیت قرآن مجید کے آئینے میں	Rs.425
9	10علاماتِ قیامت (ایک حدیث مبارکہ کی وضاحت)	Rs.165
10	تعمیر سیرت وکردار (مکمل)	Rs.450
11	تعمیر سیرت وکردار (پندرہ کتابچے)	....
12	درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں؟	Rs.120
13	اسلامی نظریہ اور ریاست پاکستان	Rs.45
14	قرآن مجید کے حقوق	Rs.40
15	اُمت مسلمہ کی تشکیل نو میں اہل قلم کا رول	Rs.50

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی یہ مطبوعات قرآن اکیڈمی جھنگ
سے 40%رعایت کے ساتھ حاصل کریں (علاوہ ڈاک خرچ)